جامعہ مدنیہ لاہور کا علمی، دینی اور اصلاحی مجلّہ

انوارِ مدینہ

سرپرست

اُستاذ العلماء حضرۃ مولانا سید حامد میاں مدظلہ مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ مدنیہ لاہور

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

ماھنامہ

انوارِ مدینہ

لاہور

:قیمت: ۵۰ پیسے

:فون: ۶۲۹۳۲

مدیر اعزازی : پروفیسر یوسف سلیم چشتی

مدیر معاون : حبیب الرحمن اشرف

جلد : ۱ ○ شمارہ : ۶، ۷

رمضان و شوال ۱۳۹۰ھ • نومبر و دسمبر ۱۹۷۰ء

مرتب : اشرف

بدل اشتراک : سالانہ ــــ ۵ روپے (طلبہ کیلئے ــ ۴ روپے) فی پرچہ پچاس پیسے

سید حامد میاں مہتمم جامعہ مدنیہ طابع و ناشر نے مکتبہ جدید پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ انوار مدینہ جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

اس شمارہ میں

۱	اداریہ		۳
۲	اولئک ہم الراشدون ۔	حضرت مولانا سید محمد میاں مدظلہ	۹
۳	آداب القرآن	علامہ خالد محمود صاحب	۱۹
۴	قرآنی تاثیر	مولانا قاری اظہار احمد تھانوی	۲۶
۵	نعت	جناب احسان دانش	۳۲
۶	صحابۂ کرام اور ان کا احترام	حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی	۳۴
۷	انکار حدیث کا تاریخی پس منظر	مولانا محمد الیاس صاحب	۳۷
۸	حیاتِ شیخ الاسلام	حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندی	۴۰
۹	نعت رسول	طالب چاندپوری	۴۶
۱۰	حضرت مولانا نانوتوی کی شاعری	مولانا نسیم احمد فریدی	۴۷
۱۱	احترام اقارب	مولانا ظہیر مفتاحی	۵۳
۱۲	جامعہ مدنیہ		۶۱

پتہ : جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

"پاکستان کی حیاتِ نو"

حالیہ انتخابات میں قوم نے اپنی امیدوں کا آخری سہارا "عوامی لیگ" اور "پیپلز پارٹی" کو سمجھا ہے۔ غریب عوام نے جس طرح اپنے جذبات خفیہ رکھ کر ان دونوں جماعتوں کو ووٹ دیئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم میں بالخصوص مزدور و محنت کش طبقہ کسانوں و ملازمین میں اپنے رجحانات کو فروخت نہ کرنے کی سکت آ گئی ہے۔ جو طبقے سرمایہ، برادری، اور اثرات کے ذریعہ کامیابی حاصل کرنے کے عادی تھے وُہ سب اس دفعہ ناکام رہے۔ ان محنت کش اور تنگ معاش عوام نے اپنے لیے یکسو ہو کر اس طبقہ کو چنا۔ جو تنگیٔ معاش ختم کر ڈالنے کے دعوے پر سامنے آیا۔

تنگیٔ معاش کا بالکلیہ ختم ہو جانا تو ملک کی اقتصادی حالت اور اپنی پیداوار کی فراوانی پر موقوف ہوا کرتا ہے۔ خدا جانے ملک میں اتنی سکت ہے یا نہیں کہ سب کی معاشی تکلیفیں دور ہو جائیں۔ البتہ امیر تر اور غریب تر کا فرق ضرور دور ہو سکتا ہے۔ جس کے دو طریقے ہیں۔

ایک تو یہ کہ اسلامی اصول پر چل کر یہ فرق دُور کیا جائے۔ دُوسرے یہ کہ دنیا کے کسی اور نظام کو زیرِ عمل لا کر یہ فرق ختم کیا جائے۔

کاش عوام میں جہاں اتنا شعور پیدا ہُوا ہے وہاں یہ شعور بھی بیدار ہو جائے کہ وُہ اپنی مشکلات کے حل کے لیے اسلامی اصول اپنائیں تاکہ دونوں فائدے حاصل ہوں۔ ہم دین سے بھی بیگانہ نہ رہیں اور معاشی مشکلات دنیا کے سارے نظاموں سے بھی بہتر طریقہ پر حل ہو جائیں۔ کیونکہ حقیقتاً اسلام کے برابر کوئی بھی نظام غریب پرور نہیں ہے۔ اور ایسے قوانین سامنے لا رکھنا یہ علماء کا کام ہے۔

آئین سازی میں اس اہم فریضہ کی انجام دہی علماء و صلحاء ہی کر سکتے ہیں۔ خُدا کا شکر ہے کہ جمعیتہ علماء اسلام میں کامیاب ہونے والے جید اور متبحر علماء ہیں۔ باقی جمعیتہ علماء پاکستان کے نمائندوں میں بھی عالم شامل ہیں۔ بہت سے قابلِ قدر حضرات آزاد امیدواروں میں بھی ہیں۔ خود پیپلز پارٹی کے کامیاب امیدواروں میں بعض نہایت صالح حضرات منتخب ہُوئے ہیں۔ عوامی لیگ کے نمائندوں کے بارے میں بھی ہمارا نیک گمان ہے۔ کیونکہ اہل بنگال علم دین اور اس پر عمل میں بہُت آگے ہیں۔

ان سب اہلِ صلاح و اہلِ دل حضرات کو ہم مبارکباد پیش کرتے ہیں اور خداوندکریم سے دُعا کرتے ہیں کہ اس کے دین متین کی حفاظت کی جو ذمہ داری اس نیک طبقہ پر جو ہر جماعت میں موجود ہے عائد ہوتی ہے وُہ اسے احسن طریقہ پر انجام دے سکیں۔

طوفانِ مشرقی پاکستان

بہت ہی افسوس و حسرت ہے کہ اس عظیم طوفان میں جو قدرتِ خداوندی کی ایک نشانی تھا لاکھوں جانیں آناً فاناً فنا ہو کر رہ گئیں۔ کسی کو دُوسرے کا ہوش تو کجا اپنی بھی خبر نہ رہی۔ اولاد انسان کی متاعِ عزیز ہوتی ہے۔ وُہ اسے بھی نہ بچا سکے۔ سب کمسن بچے اس طوفان کی نذر ہو گئے۔ خالقِ کائنات جو چاہے کرے اِنَّ اللّٰہَ علٰی کلِ شیٍٔ قدیر۔

؎ آنجا کہ بود قہرش ہر شہر بیابانے ہر جا کہ بود مہرش ہر ذرہ گلستانے

یہ طوفان. طوفانِ نوح کے امکان اور اس کی یقین دہانی کا بہت کافی نشان ہے۔ اگر آسمان سے پرنالوں کی طرح پانی برسے۔ اور زمین شق ہو کر پانی اُبلنے لگے. تو ریگستانوں میں بھی اس سے بڑا طوفان آسکتا ہے.

فَفَتَحْنَا اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ. (سورۂ قمر پ۲۷)

پھر ہم نے موسلا دھار پانی سے آسمان کے دروازے کھول دیئے اور ہم نے زمین سے چشمے جاری کر دیئے پھر مل گیا سب پانی ایک "کام" پر جو ٹھہر چکا تھا.

قَالَ سَاٰوِیْٓ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ وَحَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ فَکَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ.

(سورۂ ہود رکوع ۴)

کہا (نوح کے بیٹے نے) میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لیتا ہوں. جو مجھے پانی سے بچالے گا. کہا (حضرت نوح نے) آج اللہ کے حکم سے کوئی بچانے والا نہیں. مگر جس پر وہی رحم کرے۔ اور دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی. پھر وہ ڈوبنے والوں میں ہو گیا.

اس کی عظیم قدرت جو چاہے کرے. وہ چاہے تو کوہ ہمالہ کو ذرہ بے حقیقت بنا دے اور چاہے تو سمندروں کو خشک کر دے.

خداوندا! ہم ترے غضب سے دنیا و آخرت میں پناہ چاہتے ہیں۔ اور تری رحمت و کرم کے دائمی سہارے کے طلبگار ہیں. فاعف عنا و اغفرلنا وارحمنا انت مولٰنا.

جن بھائیوں کے اقارب و احباب اس طوفان میں شہید ہوئے ہم ان کے غم میں شریک ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ مرحومین کو اپنے دامنِ عفو میں پناہ دے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ اور جو بھائی اس بلا سے بچے ہیں ان کا ناصر و حامی ہو. آمین.

سانحۂ ارتحال

نہایت ہی افسوس کا مقام ہے کہ مولانا حافظ حمید اللہ صاحب مرحوم و مغفور جو

حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہم العالی کے چھوٹے بھائی تھے۔ ایک ماہ کے قریب علیل رہ کر دارِ فانی سے اپنے عظیم باپ کی طرح ۱۱ رمضان کو رخصت ہو گئے اور اپنے والد ماجد اور والدۂ محترمہ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

حسنِ خاتمۂ زمانی و مکانی کا حصول محض فضل خدا ہے۔ ع

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

وہ نہایت صحت مند، قوی الجثہ، اور جوان تھے۔ پیراکی اور فنونِ سپہ گری سے بھی واقف تھے۔ ان کی جوانی کے اوقات خلوت و یکسوئی میں گذرتے تھے۔ صبح کو درس قرآن پاک پابندی سے دیتے تھے۔ اپنے معمولات پر سختی سے کاربند رہتے تھے۔ اپنے بڑے بھائی مدظلہم کے دست و بازو تھے۔ درس، خطبۂ جمعہ اور مجلسِ ذکر ان تمام امور کی طرف سے ان کی موجودگی میں حضرت مولانا انور مدظلہم بے فکر رہتے تھے۔ گویا ان کا خاموش کام حضرت مولانا موصوف کیلئے ایک بہت بڑی مدد تھی اور مرحوم کے لیے صدقۂ جاریہ ہے۔

ایک نہایت صحت مند بھائی کی اچانک جدائی سے اور اہل و عیال کے لیے باپ کی جدائی سے جو صدمہ پہنچا ہوگا۔ وہ یقیناً ناقابلِ بیان ہوگا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ یہ حضرت شیخ التفسیر نور اللہ مرقدہٗ کی اولاد اور ان کے اہل خانہ توکل اور راضی برضاء رہنے کے عادی ہیں۔ اس لیے اس درجہ اس صدمہ کو برداشت کیا کہ دیکھنے اور ملنے والے کو بجز اس خاص دن کے یہ شعور بھی نہ ہو سکتا تھا کہ یہ اتنا عظیم بارِ صدمہ اپنے دل میں اٹھائے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کے فیوض کو قائم و دائم رکھے۔ ان کو اس صدمہ پر اجرِ کثیر مرحمت فرمائے اور ان کی مہمات کی کفالت فرمائے۔ آمین

ولی خان اور اُن کی شانتی واہنسا

ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اگر عوام نے اپنا نمائندہ علماء کو چن لیا تو اس میں کونسی

غلطی کی۔ کیونکہ جہاں تک قانوندانی کا تعلق ہے تو علماء بھی بڑے اعلیٰ قانوندان ہی ہوتے ہیں یہ الگ بات ہے کہ جو قانون وُہ جانتے ہیں وُہ مذہبی ہے، انگریزی نہیں۔ اسلامی قانون دنیا کے ہر قانون سے زیادہ انسانی زندگی کو محیط ہے۔ اور اسلامی قانون جس درجہ اخلاقی بلندیوں کی رہنمائی کرتا ہے اس سے دنیا کے تمام قوانین عاری ہیں۔ یہی قانون دنیا کے ہر قانون سے زیادہ عدل و مساوات کی باریکیوں پر حاوی ہے۔ جس کی طالب آج ساری دنیا ہے

غرض ہر عالمِ دین عالم ہی اس وقت بنتا ہے جب وہ اس اعلیٰ ترین قانون کے اصول سے اور قانون سے واقف ہو۔

اب مسئلہ جو پیش آنے والا ہے وُہ بھی آئین سازی کا ہے جناب ولی خان کو اس موقعہ پر علماء کے منتخب ہو جانے پر غضبناک ہونے کی تُک سمجھ میں نہیں آئی۔ پھر اس قدر آپے سے باہر ہُوئے کہ گویا اپنے آپ کو "رب" (پرورش کنندہ) اور غریب علماء کو بندہ و محتاج کا درجہ دے دیا۔

اپنی انتخابی شکست کے احساسات کو انہوں نے جس الفاظ سے تعبیر کیا ہے اس سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جیسے انتخابات میں جیتنا ان کا پیدائشی حق تھا۔ جسے اس نے چھین لیا کہ جس کا پیدائشی حق "ہارنا" تھا۔ اور یہ یقیناً ظلمِ عظیم ہے۔

جو شخص اہنسا و شانتی کا پرچار کرتا ہو اور اس پر کاربند ہو اس کا اہنسا اور شانتی کے مطلب سے غفلت برتنا ایسا جرم عظیم ہے جسے حسن اخلاق کی عدالت کبھی معاف نہیں کر سکتی۔

کیا امن و شانتی کا یہ مطلب ہے کہ اپنے ہاتھ سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچاؤ زبان سے چاہے ایذا رسانی کرتے رہو۔ حالانکہ زبان سے جو تکلیف پہنچائی جاتی ہے وہ ہاتھ کی تکلیف سے کہیں زیادہ بڑھ سکتی ہے ؎

جراحات السنان لہا التیام
ولا یلتام ما جرح اللسان

یعنی تیروں اور بھالوں کے زخم جڑ کر ٹھیک ہو جاتے ہیں لیکن جو زخم زبان لگا دے

وہ نہیں جڑتا۔ اگر کوئی اہنسا کی تعلیم کا پرستار اس فرق کو نہیں جانتا تو یقیناً اہنسا اور شانتی ناقص الفاظ ہیں۔ اور غیر مسلموں کی ناقص تعلیم ہی کی ایجاد ہیں۔

آیئے! ہم آپ کو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پاک سناتے ہیں۔ اسے لائحہ عمل بنایئے اور وہی دستور العمل بنائے جانے کے قابل ہے۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ — کامل مسلمان ہی وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ و سلامت رہیں۔

آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانِ مبارک سے نکلی ہوئی ایک اور نصیحت بھی ملحوظ رکھا کیجئے۔ ارشاد ہے۔

اَحْبِبْ حبیبك هونا ما عسی ان یکون بغیضك یوما ما — دوست سے ہلکی ہی محبت رکھو ہوسکتا ہے کہ وہ کسی وقت تمہارا مبغوض ہی بن جائے۔

وابغض بغیضك هونا ما عسی ان یکون حبیبك یوما ما — اور اپنے مبغوض (ناپسندیدہ) شخص سے ہلکی ہی نفرت رکھو ہوسکتا ہے کہ وہ کسی وقت تمہارا دوست بن جائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت دے اور ہدایت پر قائم رکھے۔ آمین!

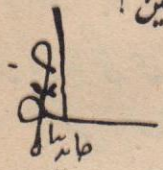

"معذرت"

بہت سے قارئین کرام کو بجا طور پر یہ شکوہ ہے کہ انوارِ مدینہ کی اشاعت میں کافی تاخیر ہو جاتی ہے اور رسالہ انہیں وقت پر نہیں پہنچتا، اطلاعاً عرض ہے کہ ادارہ کو کچھ ایسی مشکلات کا سامنا رہا جن کی وجہ سے اشاعت بروقت نہ ہو سکتی تھی۔ جن پر بفضلہٖ تعالیٰ کسی قدر قابو پالیا گیا ہے۔ اب انشاء اللہ ذوالحجہ سے انوارِ مدینہ ہر اسلامی مہینہ کے پہلے عشرہ میں قارئین کی خدمت میں پہنچ جایا کرے گا۔

(ادارہ)

فتنوں کی سرکوبی

قسط : ۲

اولٰئک ھم الراشدون

خلافت و ملوکیت

کے جواب میں

شیخ الحدیث حضرۃ مولانا سید محمد میاں دامت برکاتہم

فرقِ مراتب یہ درست ہے کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام کے فرقِ مراتب کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ مثلاً

(۱) السابقون الاولون۔ (یہ وہ حضرات ہیں جو غزوات بدر، اُحد اور احزاب میں شریک ہوئے)

(ب) وہ چودہ سو حضرات جنہوں نے مقام حدیبیہ پر خصوصی بیعت کی۔ جسکو "بیعتِ رضوان" کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کے متعلق حق جل مجدہٗ نے اعلان فرما دیا۔

(لقد رضی اللہ (سورۂ فتح) یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا)

(ج) جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے جہاد کیا اور فی سبیل اللہ خرچ کیا۔ ان کے بارے میں ارشاد ہوا

(اولٰئک اعظم درجۃ (سورۃ الحدید ع) یہ درجہ میں بڑھے ہوئے ہیں)

(د) جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے۔ ان کا درجہ اگرچہ وہ نہیں ہے لیکن "الحسنیٰ" کا وعدہ ان کے لیے بھی ہے۔ وکلا وعد اللہ الحسنیٰ (سورہ حدید) ان میں وہ بھی آ گئے جنکو "طلقاء" کہا جاتا ہے۔ لیکن سورہ حجرات کی مذکورہ بالا آیتیں جو فتح مکہ کے بعد نازل ہوئیں ان میں بلا استثناء جملہ صحابہ کرام کی خصوصیتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔

● ان کو ایمان محبوب ہے۔

● ایمانی خصلتیں ان کے دلوں میں ایسی رچ چکی ہیں کہ ایمان ان کے دلوں کی زینت بن گیا ہے اور ان کے قلوب زیورِ ایمان سے آراستہ ہو گئے ہیں۔

اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ایمان کے برخلاف کفر و فسق اور عصیان سے ان کو پوری پوری نفرت ہو گئی ہے لہٰذا ان سب کے متعلق اللہ تعالیٰ کا اعلان یہ ہے۔ اولٰئک ھم الراشدون یعنی یہی حضرات ہیں جو رشد و ہدایت کے حقیقی اہل ہیں، یعنی فقط عادل و ثقہ نہیں ہیں بلکہ عادل و ثقہ لوگوں کے لئے مثالی شخصیتیں ہیں۔ عادل و ثقہ اور راشد ان کو کہا جائے گا جو ان کے نقشِ قدم پر چلے گا۔ اس آیت کو بار بار پڑھیے اور غور فرمائیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مدلّل طور پر یہ واضح اعلان کر دیا کہ راشد یہی ہیں۔ تو کیا کوئی صاحبِ ایمان جرأت کر سکتا ہے کہ ان پر تنقید کرتے ہوئے خامہ فرسائی یا لب کشائی کرے ——— یہ وہ ہیں جن کو سرورِ کائنات محبوبِ رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحابی فرمایا (میرے ساتھی) اُن کی عزت کو اپنی عزت ان کی محبت کو اپنی محبت، ان سے بغض رکھنے والے کو (معاذ اللہ) ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض و عداوت کی علامت قرار دیا۔

اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم من بعدی غرضا۔ من احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم۔ (میرے ساتھیوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، ان کو میرے بعد (تنقید کا) نشانہ نہ بناؤ، جو ان سے محبت رکھتا ہے وہ درحقیقت مجھ سے محبت رکھتا ہے اور اس لئے وہ ان ساتھیوں سے محبت رکھتا ہے۔ اور جو اُن سے بُغض رکھتا ہے اس کو دراصل مجھ سے بُغض ہے، اس بنا پر ان سے بھی بُغض رکھتا ہے۔

ممکن ہے اس حدیث کی "سند" پر بحث کی جائے، مگر جس حدیث کے مضمون کی تائید و تصدیق قرآن حکیم سے ہو رہی ہو، اس کی سند اگر ضعیف بھی ہو تب بھی وہ قوی اور مُستند قرار دی جاتی ہے۔

آپ کو یہ اشکال بھی ہوتا ہو گا کہ چند وہ بھی ہوں گے جن کو حوضِ کوثر سے ہٹا دیا جائے گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے یہ تو میرے صحابی معلوم ہوتے ہیں۔ جواب دیا جائے گا کہ آپ کو نہیں معلوم کہ آپ کے بعد یہ لوگ پچھلے پاؤں پھر گئے تھے۔ انھم ارتدوا علی ادبارھم قھقھری (بخاری شریف صـ ۹۷)

پچھلے پاؤں لوٹنے والے لامحالہ وہ ہیں جو مسیلمہ کذاب یا اسود عنسی کے ساتھ ہو کر مُرتد ہو گئے۔ دُوسری روایت میں یہ ہے لا تدری ما احدثوا بعدک (صـ۹۷۴) آپ کو نہیں معلُوم آپ کے بعد اُنہوں نے کیا ایجاد کیا۔ لیکن وہ حضرات اس حدیث کے مصداق یقیناً نہیں ہو سکتے جن کے متعلق کلام اللہ شریف میں "رضی اللہ" یا "اعظم درجۃ" یا "الراشدون" آگیا، یا جن کے متعلق لسانِ رسالت سے کوئی بشارت صادر ہو گئی، اور اس بنا پر ان چند کی وجہ سے جو غیر معلُوم اور غیر معین ہیں، جماعتِ صحابہ پر تنقید جائز نہیں ہو سکتی۔

خصوصاً جبکہ صحابہ کے بعض پُورے کے پُورے طبقوں کے بارے میں حق تعالیٰ عزاسمہٗ نے اور حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم نے بھلائی کی شہادت دی ہو۔

انصار کے بارے میں مہاجرین وغیرہم کو وصیّت فرمائی۔

اوصیکم بالانصار فانھم کرشی وعیبتی وقد قضوا الذی علیھم وبقی الذی لھم۔ (بخاری صـ۵۳۶)	مَیں تم کو انصار کے بارے میں وصیّت کرتا ہوں کیونکہ وہ تو میرے عیال اور رازداں ہیں، اور جو اُن کے ذمّہ خدمتِ اسلام کا کام تھا وہ انہوں نے پُورا کر دیا اور (اب) ان کا حق (سب پر) باقی رہ گیا ہے۔

ارشاد فرمایا:

لولا الھجرۃ لکنت امرأ من الانصار　بخاری صـ۵۳۳	یعنی۔ اگر ہجرت کی فضیلت نہ ہوتی تو مَیں انصار ہی میں اپنے آپ کو شمار کر لیتا۔

ارشاد ہوا۔

آیۃ الایمان حب الانصار و آیۃ النفاق بغض الانصار　بخاری صـ۵۳۴	انصار سے محبّت ایمان کی نشانی ہے اور ان سے بُغض نفاق کی علامت ہے۔

ایک مرتبہ نہیں بلکہ بار بار غزوۂ خندق کے موقعہ پر ارشاد فرمایا:

اللھم لاعیش الاعیش الاخرۃ فاکرم الانصار والمھاجرہ　بخاری صـ۵۳۵	اے اللہ زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے تو انصار اور مہاجرین کو اپنے اکرام سے نواز

دوسری روایت میں دوسری دُعاء ہے :

فاغفر للمهاجرين والانصار۔ — مہاجرین اور انصار کی بخشش فرما دے۔

گویا اکرام اور مغفرت دونوں کی دُعا دی۔

ایک روایت میں انصار سے بڑھ کر اُن کی اولاد کے بارے میں بھی دُعا فرمانے کا واقعہ آتا ہے :

قالت الانصار یا رسول الله لکل نبی اتباع وانا قد اتبعناک فادع الله ان یجعل اتباعنا منک فدعا به۔ بخاری ص۵۳۴

(ایک دفعہ) انصار نے عرض کیا یا رسول اللہ ہر نبی کے پیروکار ہوتے ہیں اور ہم جناب کے پیروکار ہیں۔ آپ یہ دُعا فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے بعد میں آنے والوں (اولادم) کو جناب کا پیروکار رکھے، آنجناب نے اس کی دُعا فرما دی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس سے بھی بڑھ کر تین نسلوں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا منقول ہے، فرمایا :-

سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اللهم اغفر للانصار ولذراری الانصار ولذراری ذراریهم　ترمذی ص۲۳

مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دُعا فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ اے اللہ انصار کو بخش دے، انصار کی اولاد کو اور اُن کی اولاد کی اولاد کو (بھی)

اس میں تابعین اور تبع تابعین کی فضیلت بھی آرہی ہے، اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا مستجاب تھی۔

تمام صحابۂ کرام کی تعریف میں ارشاد ہوا۔

خیر امتی قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم۔

میری اُمت میں بہترین میرے زمانہ کے لوگ ہیں پھر جو اور بعد میں آئیں گے پھر اس کے بھی بعد (درجہ میں) وہ ہوں گے جو اُن کے بعد آئیں گے۔

ان روایتوں کا مضمون قرآن حکیم کی آیات کے عین مطابق ہے۔

خاص طور پر مہاجرین کے بارے میں ارشاد ہوا :

اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ — وہ لوگ کہ جن کو ان کے گھروں سے نکالا گیا اور ان

حَقٍّ اِلَّآ اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ۔ پ۱۷ رکوع ۱۳ — پر سوائے اس کے کوئی دعویٰ نہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے۔

اس میں ان کی قلبی حالت اور ایمان پر پختگی اور اُن کی مظلومیت بتائی گئی ہے۔

وَالَّذِیۡنَ ھَاجَرُوۡا فِی اللّٰہِ مِنۡ بَعۡدِ مَا ظُلِمُوۡا لَنُبَوِّئَنَّھُمۡ فِی الدُّنۡیَا حَسَنَۃً وَّلَاَجۡرُ الۡاٰخِرَۃِ اَکۡبَرُ۔ پ۱۴ رکوع ۱۱ — اور جنہوں نے اللہ کے واسطے گھر چھوڑا ظلم اُٹھانے کے بعد۔ ہم انہیں یقیناً دُنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے، اور آخرت کا ثواب تو بہت بڑا ہے۔

اس میں ثواب آخرت کی بشارت دی گئی ہے۔

فضیلت عام میں ارشاد ہوا:

یَوۡمَ لَا یُخۡزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَہٗ پ۲۸ رکوع ۲۰ سورۂ تحریم — جس دن کہ اللہ ذلیل نہ کرے گا نبی کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ یقین لاتے ہیں۔

یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسۡبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ۔ پ۱۰ رکوع ۴ — اے نبی! تجھے اللہ کافی ہے اور جتنے مومنین تیرے ساتھ ہیں۔

لہٰذا اُن چند لوگوں کا ذکر ہی کیا جن کے ساتھ قیامت میں وہ معاملہ ہوگا جو بعض روایات میں آیا ہے

اور ایسے غیر معروف لوگوں سے نہ روایات لی گئی ہیں نہ علمِ دین پھیلا ہے، نیز تاریخ اور اسماء الرجال میں ایسے صرف چند ہی لوگوں کا ذکر ملتا ہے۔ بحث تو باقی کُل صحابہ کی ہے کہ جن سے اسلام پھیلا ہے اور علمِ دین لیا گیا ہے۔ اور آپ نے تو حد ہی کردی کہ ان میں اخص الخواص حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو جو دامادِ رسولؐ (ذی النورین) اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں زیرِ بحث لے آئے، حالانکہ ان کی فضیلت پر جیسا کہ تمام کُتُبِ عقائد میں ہے، پوری اُمّت کا اجماع و اتفاق چلا آرہا ہے۔

تنقیدی مواد

مودودی صاحب احادیث پر تنقید کرنے میں بہت چست ہیں۔ آپ کی یہ چستی کبھی کبھی استہزاء تک بڑھ جاتی ہے، مگر یہاں حدیث کا سہارا لے رہے ہیں، فرماتے ہیں، "خواہ وہ کسی حدیث ہی میں وارد ہوئی ہو" اگر مودودی صاحب کے قلبِ مُبارک میں دیانت اور عدل و انصاف کا نُور ہوگا

تو اس جملہ کو لکھنے کے وقت خود اُن کا قلب ان پر ملامت کر رہا ہوگا۔

کیا مودودی صاحب خود نہیں جانتے کہ جو روایتیں تاریخ کی کتابوں میں ہیں ان کی حیثیت کیا ہے، سو روایتوں میں بمشکل ایک دو روایتیں ایسی ہوں گی جو حدیث صحیح کے معیار پر پوری اُتر سکیں۔

واقعہ یہ ہے کہ وہ فتنہ جس کا آغاز خلافت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے آخری دور سے شروع ہوگیا تھا، جس کی کچھ تفصیل آگے آئے گی۔ انشاء اللہ) وہ قتل وقتال اور جنگ وپیکار تک محدود نہیں رہا بلکہ دین کے ہر ایک جزو اور ہر ایک گوشہ پر اس نے ضرب لگائی۔ انتہا یہ کہ پورے دین کو مسخ کرنے کی کوشش کی۔

قرآن حکیم تو اس کی دست برد سے محفوظ رہا کیونکہ قرآن حکیم کو نازل کرنے والا طے کر چکا تھا کہ وہ محفوظ رہے گا اور اس کی حفاظت خود اپنے ذمہ لے چکا تھا۔ نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون۔ مگر احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے سلسلہ میں اس فتنہ نے خوب پر پھیلائے۔ اس فتنہ کے علم برداران کا ایک ناپاک حربہ یہ تھا کہ اپنی مصلحت اور ضرورت کے بموجب وہ تک بندی کرتے اور اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔ جب وہ ذاتِ اقدس سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم کے بارے میں بھی اتنے دلیر تھے تو عام صحابہ کرام کی طرف کسی فرضی بات کا منسوب کر دینا ان کے لئے کیا مشکل تھا۔

عقائد کے سلسلہ میں زندیقوں اور حضرات صحابہ کرام کے متعلق ان دشمنانِ صحابہ نے جب چاہا حدیث گھڑ لی اس طرح بے شمار موضوع حدیثیں زبانوں پر جاری اور کتابوں میں درج ہوگئیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی طرح اس دین کی حفاظت بھی اپنے ذمہ لی ہے، چنانچہ بقول "برخود غلط رکو مگو" اللہ تعالیٰ نے عباد صالحین کی ایسی جماعت پیدا کر دی جس نے ان راویوں کی تحقیق کی جس کے حوالہ سے یہ احادیث نقل کی جاتی تھیں۔ اس طرح اسماء الرجال کا بہت بڑا ذخیرہ جو ہزاروں صفحات میں محفوظ ہے مرتب ہوگیا، پھر موضوع احادیث کو خارج کر کے قابل استناد حدیثوں میں مراتب قائم کئے۔ اس تحقیق وتنقید میں ان فرشتہ خصلت مقبولان بارگاہِ ربانی کو کتنی محنت کرنی پڑی ہوگی۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بخاری شریف کے متعلق علماء کا بیان ہے کہ حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے ان کو منتخب فرمایا ہے جو بخاری شریف میں جمع ہیں جن کی کُل تعداد سات ہزار دو سو چھہتر ہے۔ یعنی تقریباً سو حدیثوں میں سے ایک حدیث اس قابل قرار پائی کہ اس کو وثوق کے ساتھ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کہا جا سکے۔

یہ تنقید و تحقیق کا عمل ان احادیث میں تو ہوا جن کا تعلق عقائد یا فقہی مسائل سے ہے لیکن جن کا تعلق غزوات یا آپس کی آویزش سے تھا حضرات محدثین نے ان کی طرف توجہ نہیں کی۔

وہ حضرات مورخین کی جولانگاہ بنے رہے، ان مؤرخین میں وہ بھی ہیں جو محدث ہیں، مگر چونکہ ان روایتوں کو ایمان و عمل کے لحاظ سے بنیادی اہمیت حاصل نہیں تھی۔ لہٰذا ان محدثین حضرات نے بھی ان روایتوں کی تحقیق و تنقید کی طرف توجہ نہیں فرمائی، نتیجہ یہ ہوا کہ رطب و یابس ہر طرح کی روایتیں اس انبار میں پڑی رہ گئیں۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے اس سے کوئی بھی انصاف پسند صاحب بصیرت انکار نہیں کر سکتا۔

آیاتِ کتاب اللہ کے مقابلہ میں اگر کوئی صحیح السند حدیث بھی ہو تو حدیث کی تاویل کی جاتی ہے، اس کا کوئی ایسا محمل معین کیا جاتا ہے جو کتاب اللہ کے خلاف نہ ہو، اور اگر کوئی تاویل اور توجیہہ نہیں ہو سکتی تو اس حدیث کو ساقط مانا جاتا ہے۔

بہر حال جب صحیح حدیث کو بھی کتاب اللہ کے مقابلہ پر تسلیم نہیں کیا جاتا تو کتب تاریخ کی احادیث کو جو عموماً کمزور ہوتی ہیں کتاب اللہ کے مقابلہ میں کس طرح تسلیم کر لیا جائے گا ؟ اور کس طرح جائز ہوگا کہ کسی تاریخی روایت کی بنا پر اس کو غیر راشد اور غیر صالح قرار دیں جس کو کلامِ ربانی نے راشد قرار دیا ہے، یہ حضرات جن کے متعلق مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ نرالا قاعدہ کلیہ پیش کرتے ہیں غالباً شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

آپ نے اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا تھا۔ "مؤرخین کی روایتیں تو عموماً بے سروپا ہوتی ہیں، نہ راویوں کا پتہ ہوتا ہے اور نہ ان کی توثیق، تخریج کی خبر ہوتی ہے نہ اتصال و انقطاع سے بحث ہوتی ہے۔ اور اگر بعض متقدمین نے سند کا التزام کیا بھی ہے تو عموماً ان میں سے ہر غث وثمین اور ارسال و انقطاع سے کام لیا گیا ہے۔ خواہ ابن الاثیر ہوں یا ابن قتیبہ، ابن ابی الحدید ہو یا ابن سعد، ان اخبار کو مستفاض اور متواتر قرار دینا بالکل غلط ہے اور بے موقع ہے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق ان قطعی اور متواتر نصوص و دلائل عقلیہ و نقلیہ کی موجودگی میں اگر روایات صحیح احادیث کی بھی موجود ہوں تو مردود یا مأول قرار دی جاتیں۔ چہ جائیکہ راوایاتِ تاریخ۔ (مکتوبات شیخ الاسلام صفحہ ۲۶۶، جلد ۱)

مودودی صاحب کے ماخذ

لیکن چونکہ مودودی صاحب کی اس تصنیف شریف کا تمام مواد اسی طرح کی روایتوں سے پُر ہے جن کو اگرچہ ان بڑے بڑے مؤرخین نے نقل کیا ہے جن کے اوصاف مودودی صاحب نے تقریباً آٹھ صفحات میں شمار کرائے ہیں (ص ۳۱۱ تا ص ۳۱۶) مگر وہ تمام روایتیں مجروح ہیں، اور جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا متضاد۔ لیکن عجیب لطیفہ یہ ہے کہ اگر کوئی اس کمزوری کا تذکرہ کرتا ہے تو مودودی صاحب نہ صرف خفا ہو جاتے ہیں بلکہ کہنا چاہیئے کہ ایسے چڑ جاتے ہیں کہ ان کی متانت اور سنجیدگی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ انتہا یہ کہ طرزِ نگارش بھی سُوقیانہ ہو جاتا ہے۔

ملاحظہ ہو "حدیث اور تاریخ کا فرق"، اس عنوان کے تحت مودودی صاحب فرماتے ہیں، "بعض حضرات تاریخی روایات کو جانچنے کے لئے اسماء الرجال کی کتابیں کھول کر بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں فلاں راویوں کو آئمہ رجال نے مجروح قرار دیا ہے، اور فلاں فلاں راوی جس وقت کا واقعہ بیان کرتا ہے اس وقت تو وہ بچہ تھا یا پیدا ہی نہیں ہوا تھا اور فلاں راوی یہ روایت جس کے حوالہ سے بیان کرتا ہے اُس سے تو وہ ملا ہی نہیں۔ اس طرح وہ تاریخی روایات پر تنقید حدیث کے اصول استعمال کرتے ہیں اور اس بنا پر اُن کو رد کر دیتے ہیں کہ فلاں واقعہ سند کے بغیر نقل کیا گیا ہے اور فلاں روایت کی سند میں انقطاع ہے۔ یہ باتیں کرتے وقت اس کو بھول جاتے ہیں کہ محدثین کی روایات کی جانچ پڑتال کے یہ طریقے دراصل احکامی احادیث کے لئے اختیار کئے ہیں، کیونکہ ان پر حرام و حلال، فرض و واجب اور مکروہ و مستحب جیسے اہم شرعی امور کا فیصلہ ہوتا ہے، اور یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ دین میں کیا چیز سُنّت ہے اور کیا چیز سُنّت نہیں ہے۔ یہ شرائط اگر تاریخی واقعات کے معاملہ میں لگائی جائیں تو اسلامی تاریخ کے ادوار مابعد کا تو سوال ہی کیا ہے، قرنِ اوّل کی تاریخ کا بھی کم از کم ۹/۱۰ حصہ غیر معتبر قرار دیا جائے گا۔ (ص ۳۱۷ تا ص ۳۱۸)"۔

غور فرمایئے یہ مودودی صاحب کا جواب ہے یا لاجواب ہونے کا اعتراف ہے۔ یعنی آپ کے ارشاد بموجب اس روایت کی سند پر تو بحث ہو سکتی ہے جس میں وضو کرتے وقت داڑھی میں خلال کا تذکرہ ہو، یا معلوم ہو کہ استنجے کے لئے تین ڈھیلے لینا ضروری ہیں یا دو بھی کافی ہو سکتے ہیں؟ جس کی اگر تعمیل نہ کی جائے تو نہ کوئی عقیدہ چھوٹتا ہے نہ کوئی فریضہ فوت ہوتا ہے۔ لیکن وہ روایت جو عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیسے خلیفہ راشد کو جو عقیدۂ اہلِ سنت والجماعت کے بموجب حضرت صدیق و حضرت فاروق رضی اللہ عنہما کے بعد پوری اُمت میں سب سے

افضل ہیں۔ معاذ اللہ خائن قرار دے، اس کی سند پر بحث نہیں کر سکتے، اس کو جوں کا توں مان لینی چاہیئے۔ کیونکہ وہ تاریخی روایت ہے۔

ارشادِ ربانی ہے، اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم (سورہ حجرات) کیا اس آیت کی رُو سے بدگمانی حرام نہیں ہے؟ لیکن وہ روایتیں جو حضرات صحابہ کے متعلق بدگمانی پیدا کریں اور اس حرام کا مرتکب بنائیں۔ مودودی صاحب فرماتے ہیں ان کی سند سے بحث نہ کرو، ان کو بلا چون وچرا تسلیم کر لو، کیونکہ وہ تاریخی روایتیں ہیں۔ معاذ اللہ۔ ع بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است۔

ایک اور لطیفہ ملاحظہ فرمایئے، مودودی صاحب فرماتے ہیں:" یہ ہیں وہ مآخذ جن سے مَیں نے اپنی بحث میں سارا مواد لیا ہے۔ اگر اس دَور کی تاریخ کے معاملہ میں قابلِ اعتماد نہیں ہیں تو پھر اعلان کر دیجئے کہ عہدِ رسالت سے لے کر آٹھویں صدی تک کی کوئی اسلامی تاریخ دُنیا میں موجود نہیں ہے۔ (صفحہ ۳۱۶)

مودودی صاحب! ہم یہ اعلان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ البتہ یہ مطالبہ ضروری سمجھتے ہیں کہ ان مآخذ سے جو لیں ایمانداری سے لیں۔ یہ ہرگز نہ ہو کہ کسی اختراع کردہ نظریہ کی تائید و حمایت کے لئے ڈھونڈ کر کچھ روایتیں اخذ کر لیں۔ اور وہ مفصل روایتیں جو انہیں کتابوں میں آپ کے منشاء کے خلاف ہوں ان کو نظرانداز کر دیں۔ اس گندم نمائی جَو فروشی کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

آخر کیا بات ہے کہ اعتراضات کے جوابات بھی انہیں مآخذ سے دیئے جاتے ہیں۔ آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ آئندہ مباحث میں ہمارا مآخذ بھی یہی کتابیں ہوں گی۔ مگر ہم اپنے نظریہ کو ٹھونسنے کی کوشش نہیں کریں گے، نہایت سادگی سے انہیں کتابوں کے بیان کردہ واقعات کو بیان کریں گے۔ (انشاء اللہ)

پھر اگر مطالبہ کرنے والے حضرات آپ کے متعلق یہ کہیں ع چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد، تو یہ ہمارا قصور نہیں ہوگا۔ بلکہ آپ کے عمل کے مطابق یہ ایک منصفانہ فیصلہ ہوگا۔ بہرحال آپ ان مآخذ کو دریابُرد نہ کیجئے، صرف اپنے عقیدے اور نیّت کی اصلاح کر لیجئے۔

ان تمہیدی فقرات کے بعد ہم سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے معاملہ کو لیتے ہیں۔ حضرت موصوف کی جو کچھ کمزوریاں بیان کی جاتی ہیں۔ اگرچہ ان کے تفصیلی جوابات بھی سامنے آئیں گے (انشاء اللہ) مگر مختصر جواب یہ ہے کہ جس شخص میں یہ کمزوریاں ہوں اگرچہ وہ مسلمان رہ سکتا ہے اور مرنے کے بعد نجات بھی پا سکتا ہے، مگر

مقبولِ بارگاہ ربانی نہیں ہوسکتا کہ اس کو دُنیا ہی میں بشارتوں پر بشارتیں دی جائیں اور قبل از شہادت شہید کے خطاب سے نوازا جائے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے یہ مناقب اپنی جگہ درست ہیں کہ آپ السابقون الاولون میں سے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، رضی اللہ عنھم (سورہ توبہ آیت ۱۰۰)

غزوۂ اُحد میں جو آپ سے لغزش ہوگئی تھی اس کے متعلق ارشادِ ربانی ہے لقد عفا اللہ عنھم۔ (سورہ آل عمران آیت ۱۵۵)

حدیبیہ کے موقع پر آپ کا سب سے اہم اور سب سے بڑا کارنامہ جس کو آپ کے سوا کوئی دوسرا انجام نہیں دے سکتا تھا اور پھر اس موقعہ پر تمام جان نثارانِ اسلام کے متعلق ارشاد لقد رضی اللہ (سورہ الفتح آیت ۱۸)

اس طرح کے مناقب کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا خصوصی طور پر یہ ارشاد بشرہ بالجنتہ معھا بلاءُ مصیبتہ (بخاری شریف ص۱۰۵۲) علی بلوی ستصیبہ (بخاری شریف ص۵۲۲) (ان کو جنت کی بشارت دے دو، ساتھ ساتھ یہ خبر بھی دیدو کہ ان کو ایک آزمائش میں مبتلا ہونا ہوگا)

سیّد المرسلین کا یہ ارشاد واضح کر رہا ہے کہ جو کچھ آپ کے ساتھ کیا گیا وہ آپ کی غلطیوں کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ بہت بڑا امتحان یہ تھا کہ غیر مجرم کو مجرم گردانا گیا۔ غلط بنیادوں پر آپ کے خلاف طوفان برپا کیا گیا، اور آپ اس میں ثابت قدم رہے۔ ان شورہ پشت گستاخوں کو آپ کے آزاد کردہ غلام ہی ٹھیک کر سکتے تھے۔ مگر آپ نے اپنی قربانی منظور کی اور یہ گوارا نہیں کیا کہ آپ کی وجہ سے کسی بھی مُسلمان کو گزند پہنچے۔ آپ دیکھ رہے تھے کہ فتنۂ عظیم سروں پر منڈلا رہا ہے، خُون کی ندیاں بہنے والی ہیں، مگر آپ نے انتہا درجہ صبر آزما حالات میں پوری احتیاط برتی کہ آپ کی طرف سے اس کا آغاز نہ ہو۔ (باقی آئندہ)

ضروری اطلاع

رجب کے شمارہ پر "شمارہ نمبر ۴" لکھا ہوا دیکھ کر بہت سے حضرات نے شکوہ کیا ہے کہ انہیں پہلے تین شمارے کیوں نہیں بھیجے گئے۔ اطلاعاً عرض ہے کہ رجب کا شمارہ ہی پہلا شمارہ ہے اس سے پہلے انوار مدینہ کا کوئی شمارہ منظرِ عام پر نہیں آیا۔ شمارہ نمبر ۴ محض ایک قانونی ضابطے کی بناء پر لکھنا پڑا ہے۔ (ادارہ)

آدابُ القرآن

از

علامہ خالد محمود

مدظلہٗ

اسلام کی نگاہ میں وہ تمام اشیاء جو اللہ تعالیٰ کے شعائر اس کے تقرب کے مرکز اور اس کی عظمت کے نشان ہیں ۔ واجب التعظیم ہیں جیسے نماز، کعبہ اور قرآن وغیرہ ۔

پس قرآن پاک کی عظمت بھی مقتضی ہے کہ اس کے کچھ آداب ہوں ۔ چنانچہ شریعت اسلام نے اس کے پڑھنے چھونے، سننے، لکھنے غرضکہ ہر حکم سے متعلق کچھ نہ کچھ قواعد مقرر کئے ہیں ۔ تاکہ شعائر اللہ کا پورا احترام قائم رہے اور ادب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے ۔

ممکن ہے قرآن کے یہ آداب بعض جدید ذہنیتوں میں نہ اتر سکیں اور وہ بلا تامل انکار کے درپے ہو جائیں ان ذہنوں کی افتاد یہ ہے کہ قرآن محض ایک ضابطۂ عمل ہے ۔ جس کی تعظیم اس کے احکام کو تسلیم کرنا اور اس کے ارشادات کو عملی زندگی میں اپنانا ہے ۔ نقوش کتابیہ (TEXT) کا ادب واحترام یہ ایک ظاہری تکلف ہے جس کی تعلیم اسلام میں ہرگز نہیں ۔

جواباً عرض ہے کہ یہ ظاہری احترام بھی فائدہ سے خالی نہیں نفسیاتی طور پر یہ ظاہری آداب بھی انسان کی فکر و نظر بلکہ قلب وجگر پر کافی حد تک اثر انداز ہوتے ہیں کون نہیں جانتا کہ استاد کی آمد پر طالب علموں کا کھڑا ہو جانا استاد کے احترام کا مرکز مقصود ہرگز نہیں اصل احترام یہ ہے کہ اس کی تعلیمات کو یاد رکھا جائے ۔ اور اس کی مقتضیات پر عمل کیا جائے ۔ لیکن یہ ظاہری تعظیم کیا بالآخر اس کے حقیقی احترام کا نتیجہ پیدا نہیں کرتی اور کیا یہ ظاہری آداب استاد کے رعب و عظمت قائم کرنے کا نفسیاتی سبب نہیں بنتے ؟

اس مثال سے ہمیں اس طریق کار کی حمایت کرنا مقصود نہیں بتلانا یہ ہے کہ اس دورِ جدید میں بیسیوں وہ مرحلے ہیں ہیں۔ جہاں تم ظاہری آداب کے اسی انداز کو نہ صرف اپنا چکے ہو بلکہ انہیں اپنی تہذیب میں شامل کرنے کی کوشش کرتے ہو ترانہ ملّی پڑھے جانے کے وقت کس ملک کے باشندے کھڑے نہیں ہو جاتے اور کہاں اسے اپنے ملک کی عظمت و محبت کا ایک نفسیاتی سہارا نہیں سمجھا جا رہا۔ مگر افسوس کہ قرآن پاک کے ظاہری آداب کے باب میں باوجودیکہ یہاں شریعت کے صریح احکام بھی موجود ہیں ان حقائق و نفسیات کو یک سر نظر انداز کر دیا جاتا ہے

یہ ٹھیک ہے کہ قرآن عظیم کی حقیقی تعظیم اسے آخری قانون ہدایت تسلیم کرنا اور اس کے مقتضا پر عمل کرنا ہے لیکن اس کے ظاہری احترام کا بھی ہمیں اسلام نے حکم دیا ہے اور تاکید فرمائی ہے کہ دشمنان اسلام کے ہاتھ بھی اسے چھونے نہ پائیں مبادا وہ اس کی بے ادبی کریں اور اس طرح شعائر اللہ کی توہین ہو جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ :-

نھی ان یسافر بالقرآن الی ارض العدو مخافۃ ان ینالہ العدوّ (ابن ماجہ ۲۱۲) آں حضرتؐ نے منع فرمایا ہے کہ قرآن پاک لے کر دشمن کی سرزمین میں نہ جاؤ کیونکہ اندیشہ ہے کہ وہ دشمن کے ہاتھ نہ لگ جائے۔

ظاہر ہے کہ قرآن پاک اگر کفار محاربین کے ہاتھ لگ جائے تو اس سے صداقت کے جوہر تو چھین نہیں سکتے اس کے دلائل کا وزن تو وہ کم نہیں کر سکیں گے۔ پھر آخر کس لیے شریعت اس کے کفار کے ہاتھ لگنے پر اس قدر پابندی لگا رہی ہے؟

اگر اسلام کی نظر میں قرآن پاک کا ظاہری ادب و احترام ضروری نہ ہوتا کہ وہ زمین پر گرنے نہ پائے۔ ناپاک جگہ پر نہ رکھا جائے۔ بے طہارت اسے ہاتھ نہ لگیں وغیرہ وغیرہ تو لسان شریعت اس کے کفار کے ہاتھ لگنے پر قدغن نہ لگاتی۔ یہ ارشاد پیغمبر صاف بتلا رہا ہے کہ قرآن پاک کے حقیقی احترام کے ساتھ اس کا ظاہری احترام قائم رکھنا بھی اسلام کا عین حکم ہے اور ہم مکلف ہیں کہ اس کے ان آداب کو بھی اسلامی ثقافت کا جزو سمجھیں۔

نماز، کعبہ اور قرآن جیسے شعائر اسلام کی تعظیم کا پہلا اور اہم عنوان یہ ہے کہ انسان طہارت کاملہ کے بغیر ان کے قریب بھی پھٹکنے نہ پائے قرآن عزیز شعائر اللہ کا ایک اہم عنوان ہے اور ضروری ہے کہ اسے بھی بے وضو ہاتھ نہ لگایا جائے۔

انہ لقرآن کریم فی کتاب مکنون ہ　　بے شک یہ قرآن ہے عزت والا. لکھا ہوا ہے. لوح محفوظ
لا یمسہ الا المطہرون ہ تنزیل　　میں. وہی چھوتے ہیں اسے جو پاک ہیں. تنزیل ہے پروردگار
من رب العلمین (پ۲۷) واقعہ　　عالم کی طرف سے.

"لا یمسہ" میں مراد لوح محفوظ کے قرآنی نقوش ہیں یا یہ قرآن عزیز جو ہمارے سامنے ہے صورت واقعہ خواہ کوئی ہو اتنی بات یقینی ہے کہ قرآن اپنی عظمت اور شان کے اعتبار سے یہ مقام رکھتا ہے. کہ اسے وہی ہاتھ چھوئیں جو پاک ہوں. ہاں موضوع بیان چونکہ عظمت قرآن ہے. اس لیے غالب یہی ہے کہ لا یمسہ میں قرآن پاک کی ہی شان کا بیان ہو رہا ہے.

"تنزیل من رب العالمین" کا قرینہ بھی یہی بتلا رہا ہے کہ یہاں قرآن عزیز ہی مراد ہے اس لیے کہ تنزیل (تدریجاً آنا) اسی قرآن عزیز کی ہے لوح محفوظ میں اس کا لکھا جانا یا پھر اس کا پہلے آسمان پر آنا تدریجی ہرگز نہ تھا.

پھر "لا یمسہ الا المطہرون" (اس قرآن کو وہی چھوتے ہیں جو پاک ہیں) میں چھونے کے مفہوم میں دو تعبیرات ہیں :-

۱ - جو لوگ صاف اور پاک اخلاق رکھتے ہیں وہی اس کے علوم و حقائق تک ٹھیک رسائی پا سکتے ہیں یہاں مس کے معنی مجازی ہو گئے.

۲ - اس قرآن کو نہ چھوئیں مگر پاک لوگ یعنی بدون وضو کے اسے ہاتھ لگانا جائز نہیں یہاں مس کے حقیقی معنی مراد ہوں گے. پس "لا یمسہ" میں.

لوح محفوظ مراد ہو یا یہ قرآن عزیز جو ہمارے سامنے ہے، اتنی بات بالکل بے غبار ہے کہ قرآن اپنی عظمت کے اعتبار سے انہی ہاتھوں میں آتا ہے جو پاک ہوں اور لفظ مس کا حقیقی معنی تقاضا کرتا ہے. کہ اسے بے وضو ہاتھ نہ لگایا جائے. اس لیے کہ طہارت کاملہ یہی ہے.

ان فیہ حمل المس علی الحقیقۃ واحتمال　　اس میں لفظ مس (چھونا) اپنے حقیقی معنوں پر محمول ہے
غیرھا بلا دلیل لا یقدح فی صحۃ الاستدلال　　اور کلام میں اصل اس کے حقیقی معنی ہی ہیں اور اس کے

...... فلا ینافی ذالک القطعیّۃ علاوہ کسی اور معنی کا احتمال جس پر دلیل بھی کوئی نہ ہو اصل استدلال کے صحیح .... ہونے پر ہرگز اثر انداز نہیں۔ (شامی جلد اصفحہ ۶۶)

آں حضرتؐ نے حکیم بن حزام کو جب یمن کی طرف بھیجا تھا تو نصیحت فرمائی تھی:

لا تمس القرآن الا و انت طاھر قرآن کو ہاتھ نہ لگانا مگر اس حال میں کہ تم باطہارت ہو۔

عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:

لا یمس القرآن الا طاھر کوئی شخص قرآن پاک کو بغیر طہارت کے ہرگز نہ چھوئے۔

یہ روایات اس قرآنی حکم کی پرزور تائید کرتی ہیں۔ کہ قرآن پاک کو وہی ہاتھ چھوئیں جو پاک ہوں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:-

وجب ان لا یقربھا الا متطھر ولم یشترط الوضوء لقراءۃ القران لان التزام الوضوء عند کل قراءۃ یخل فی حفظ القران وتلقیہ (حجۃ اللہ البالغہ)

ضروری ہے کہ قرآن پاک کے قریب انسان طہارت کے بغیر نہ جائے ہاں قرآن پاک کی قرأت کے لیے وضو شرط نہیں کیونکہ ہر قرأت کے وقت وضو کا التزام قرآن پاک کے حفظ اور اس کے حصول میں خلل انداز ہوتا ہے۔

امام ترمذیؒ صحابہ و تابعین کے بارے میں لکھتے ہیں:

قالوا یقرأ الرجل القرآن علی غیر وضوء ولا یقرأ فی المصحف الا وھو طاھر وبہ یقول سفیان الثوری و الشافعی واحمد و اسحاق (جامع ترمذی ص۲۱ دہلی)

ان کا یہ تو فیصلہ ہے کہ انسان بغیر وضو کے قرآن پڑھ سکتا ہے۔ لیکن وہ بغیر وضو کے مصحف سے پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے۔ اور یہی فیصلہ امام سفیان ثوریؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا ہے۔

سوال:- ۱- کتب تفسیر و حدیث جن میں متعدد مقامات پر آیات قرآنیہ لکھی ہوتی ہیں انہیں بلا وضو چھونا کیسا ہے؟

۲- فونوگراف کے ریکارڈ جن میں قرآن مجید کی آواز بھری ہوئی ہو اسے بلا وضو ہاتھ لگانا جائز ہے یا نہیں۔

جواب:- ۱- جب کتب تفسیر و حدیث میں غیر قرآن کی عبادت غالب ہو اور اس کی مقدار زیادہ ہو تو اسے بلا وضو مس کرنا مطلقاً درست ہے غنیۃ المستملی میں اس پر بحث کر کے آخر میں لکھا ہے۔

ولاصح انہ لا یکرہ عند ابی حنیفہ ص۵۶ — اس صورت میں زیادہ صحیح یہی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایسا مکروہ نہیں ہاں خاص اس مقام کو جہاں آیت قرآنی لکھی ہوئی ہیں۔ بلا وضو چھونا یہ جائز نہیں رد المختار میں تصریح کی گئی ہے

ان کتب التفسیر لا یجوز مس موضع القران منہا (جلد ۱ ص۱۲۹) — کتب تفسیر میں جو خاص آیات قرآن کے مواقع ہیں انھیں بغیر وضو کے چھونا جائز نہیں۔

۲- فونوگراف کے ریکارڈ میں ان نقوش کی دلالت نہ لفظی ہے نہ وضعی محض الفاظ کا ارتسام ہے پس یہ نقوش حروف مکتوبہ کے حکم میں نہیں اسلئے انہیں بلا وضو چھونا جائز ہے۔ انسانی دماغ میں بھی اسی طرح الفاظ قرآنیہ کا ارتسام ہوتا ہے اور اسے بلا طہارت مس کرنا بالاتفاق جائز ہے۔ (وتصدیقہ فی امداد الفتاویٰ جلد ۱ ص۹۹)

قرآن پڑھنے کے آداب

حضرت علی مرتضیٰؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرمؐ قرات قرآن کے لیے وضو کا التزام نہ فرماتے تھے۔

لا یحجزہ عن القران شیئ الا الجنابۃ (ابن ماجہ) — آپ کو قرآن پڑھنے سے سوائے جنابت کے اور کوئی چیز مانع نہ ہوتی تھی

۱- اس سے معلوم ہوا کہ (مس مصحف نہ ہو تو) زبانی قرآن پڑھنا بلا وضو جائز ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ

۲- حالت جنابت میں زبانی قرآن پڑھنا بھی جائز نہیں۔

۳- قرآن پڑھنے کے لیے اعوذ پڑھنے کا حکم :-

اذا قرأت القران فاستعذ باللہ من الشیطن الرجیم (النحل پارہ ۱۴) — جب تم قرآن پاک پڑھو تو پہلے اعوذ باللہ پڑھ لیا کرو۔

۴- رکوع اور سجدے کی حالت میں قرآن پڑھنے سے ممانعت۔ حضور فرماتے ہیں :-

نہیت ان اقرأ القران راکعا او ساجداً (صحیح مسلم جلد ۱ ص۱۹۱) — مجھے منع کیا گیا ہے کہ رکوع یا سجدے کی حالت میں قرآن پڑھوں۔

تکرہ قراۃ القران فی الرکوع والسجود والتشہد باجماع الائمۃ الاربعۃ (شامی جلد ۱ ص۳۸۶) — رکوع، سجدے اور تشہد میں قرآن پاک کی قرأت ائمہ اربعہ کے نزدیک اجماعاً مکروہ ہے۔

قرآن سننے کے آداب

جب قرآن پاک پڑھا جا رہا ہو تو ہمہ تن گوش ہو کر اسے سُننا چاہیئے اس کے

لیے خاموش نہ ہونا گناہ عظیم ہے ۔ قرآن عزیز خود کہتا ہے :۔

واذا قرء القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون ۔ (اعراف پ۹ آخر)

اور جب قرآن پڑھا جا رہا ہو تو اس کی طرف کان دھرو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ۔

آں حضرت پر جب جبریل امین وحی لاتے تو آپ اسے جلدی حاصل کرنے کے لیے ساتھ ساتھ خود بھی پڑھتے جاتے اس پر ارشاد ہوا :۔

لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ ان علینا جمعہ و قرآنہ (قیامۃ پ۲۹)

آپ اپنی زبان مبارک کو حرکت نہ دیں اس قرآن کا جمع کرنا اور پھر آپ کی زبان سے اسے پڑھا دینا سب ہمارے ذمہ ہے ۔

واضح ہوا کہ قرآن پاک کی تعظیم و تکریم اتنی ہے کہ جب بھی یہ بطریق عبادت وارشاد پڑھا جا رہا ہو تو شرکاء مجلس کو زبان تک ہلانے کی اجازت نہیں سب ہمہ تن گوش اور خاموش رہیں ۔

جنات بھی قرآن عزیز سن کر پکار اٹھے تھے رب العزت فرماتے ہیں :۔

واذ صرفنا الیک نفراً من الجن یستمعون القرآن فلما حضروہ قالوا انصتوا فلما قضی ولوا الی قومھم منذرین ۔

(احقاف پ۲۶ ع۴)

اور جب ہم نے جنوں کا ایک گروہ آپ کی طرف متوجہ کر دیا تھا اور وہ قرآن سننے لگے تھے تو وہ بھی اپنے ساتھیوں کو کہہ اٹھے تھے کہ چپ اور خاموش رہو ۔ پھر جب قرآن کا پڑھا جانا ختم ہوا تو وہ اپنی قوم کی طرف واپس ہوئے تاکہ انہیں اللہ کی نافرمانی سے ڈرائیں ۔

قرآن لکھنے کے آداب

۱ - قرآن پاک کا رسم الخط وہی ہونا چاہیئے جو مصاحف عثمانیہ کا تھا اسے کسی دوسرے حروف تہجی میں منتقل کرنا جائز نہیں اگر کوئی شخص اسے رومن میں لکھے (کہ رسم الخط تو انگریزی حروف پر مشتمل ہو لیکن پڑھا وہی کچھ جائے جو کہ ہم پڑھتے ہیں) تو اس طریق کی مزاج شناسان اسلام اجازت نہیں دیتے ۔ امام مالکؒ سے قرآن پاک کے رسم الخط کے متعلق استفسار کیا گیا کہ اسے کسی اور حروف تہجی میں لکھنا جائز ہے تو آپ نے فرمایا :۔

لا ولکن یکتب علی الکتابۃ الاولیٰ ۔ ہرگز نہیں بلکہ اسے پہلے رسم الخط پر ہی لکھا جائے ۔

علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں :-

والذی ذھب الیہ مالك ھو الحق ..... وھذا مذھب الائمۃ اربعۃ

جو کچھ امام مالکؒ نے فرمایا وہی صحیح ہے اور یہی چاروں اماموں کا فیصلہ ہے۔

قد انعقد اجماع سائر الائمۃ من الصحابۃ وغیرھم علی تلك الرسوم وانہ لایجوز بحال من الاحوال العدول من کتابۃ القرآن الکریم ولا نشرہ بصورۃ تخالف رسم المصاحف العثمانیۃ۔

صحابہ کرامؓ وغیرھم سب ائمہ دین کا اجماع اسی رسم الخط پر منعقد ہو چکا ہے کہ اسے کسی طرح مصاحف عثمانیہ کے طرز کے خلاف لکھنا اور نشر کرنا ہرگز صحیح نہیں۔

۲ - قرآن پاک کو عربی متن کے بغیر کسی اور زبان میں لکھنا ہرگز جائز نہیں جب بھی اسے کسی دوسری زبان میں ترجمہ کیا جائے یہ ضروری ہے کہ عربی متن بھی ساتھ ہی لکھا جائے صرف ایک دو آیتیں کسی دوسری زبان میں لکھی جا سکتی ہیں۔ اور اس کی فقہاء کرام نے اجازت دی ہے۔ (فتح القدیر لابن الھمام جلد ۱ صفحہ ۲۰۱ مصر)

جس زمانے میں علمائے کرام نے ترجمہ کی مخالفت کی تھی اس کا مورد یہی ترجمہ تھا جس کے ساتھ عربی متن نہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ اس سے اصل کتاب کے ضائع ہو جانے کا خطرہ تھا۔

۳ :- **قرآن پاک کو باوضوء لکھنا** امام محمدؒ تو اسی کو پسند فرماتے ہیں کہ قرآن پاک بلا وضوء نہ لکھا جائے۔ کیونکہ وہ شخص قرآن پاک کو بلا وضوء چھونے کے حکم میں آئے گا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ناجائز ہے لیکن دوسرے ائمہ کے نزدیک نقوش قرآنیہ کو بواسطہ قلم چھونے اور بلاواسطہ چھونے میں بنیادی فرق ہے، پس ان کے ہاں قرآن پاک کو بلا وضوء لکھنا اسی طرح ہو گا۔ جیسے قرآن پاک کو بلا وضوء کپڑے کے واسطے سے پکڑنا اور چھونا در مختار میں ہے۔

ولا تکرہ کتابۃ القرآن والصحیفۃ واللوح علی الارض عند الثانی خلافاً لمحمد وینبغی ان یقال ان وضع علی الصحیفۃ ما یحول بینھا وبین یدہ یوخذ بقول الثانی والا فبقول الثالث (حلبی شرح منیہ ص ۱۸/۱۹۱)

———

قارئین سے گذارش ہے۔ کہ خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں خصوصاً وہ حضرات جو پتہ بدلنا چاہتے ہیں نمبر خریداری ضرور لکھیں ورنہ تعمیل نہیں ہو سکے گی۔

قرآنی تاثیر

استاذ القراء حضرت مولانا قاری اظہار احمد صاحب تھانوی مدظلہ

اس مقدس کتاب نے عالمی انقلاب کا وہ محیر العقول نقشہ پیش کیا کہ تاریخ میں قدیم و جدید کسی بھی دور میں اس کا نام و نشان نہیں ملتا۔ قرآن نے وجدان قوی پر ایمان کی اساس رکھی۔ اس کے فیصلے تمام معاشروں کے میلانات پر نافذ ہوئے۔ قوموں نے اپنے موروثی عقائد باطلہ پر نفرت کے ساتھ لات ماردی۔ تمام مالوف طور طریق عادات و خصائل اور خون ریز جنگوں کا خاتمہ اس عظیم کتاب کا پہلا اصلاحی قدم ثابت ہوا۔

یہ کوئی معمولی کارنامہ نہیں، علماء اور مصلحین اور ان کی تمام تصنیفات بے حقیقت نظر آتی ہیں۔ انسان کے بنائے ہوئے قوانین ملکی، اصلاح قرآنی کے سامنے ایک غبار نظر آتا ہے۔

مزید حیرت یہ کہ اس قرآن کو پیش کرنے والا "رجل امی" ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم نہ اس کے پاس دولت و سلطنت، نہ فوج و سپاہ اور نہ کوئی قوت قاہرہ، البتہ صبر و قناعت اللہ کی رغبت، رضا و یقین کی دولت ضرور ہے

واضح رہے کہ جہاد کی مشروعیت اسلام میں، کسی پر کوئی عقیدہ ٹھونسنے کے لیے نہیں ہوئی، بلکہ ان صاحبانِ جبر و تشدد کی مدافعت کے لیے ہوئی۔ جو اپنی تلواروں سے اسلام کی دعوتِ حق کو دبانا چاہتے ہیں تاکہ دنیا میں کوئی جابر بندہ اور خالق کے درمیان حائل نہ ہو سکے۔

قرآن کی عالمی تحریک کا راز یہی اساس تھی، چاہو تو اسکو ایک زبردست نارِ مشتعل کہدو مگر نہیں بلکہ نورِ ہدایت کہو۔ اپنی تحریک سے عالم کے جسم مردہ میں روح پھونکنے والی آواز،

قرآن کا اسلوب معجزہ تھا، اس اعجاز کی راہ سے اس نے نفوس و احساسات کو جھنجوڑا، قلب و عقل پہ گہرا سکہ جمایا۔ دشمن اس کی اس زبردست تاثیر سے واقف ہیں۔ وہ فاتح لشکروں اور خون ریز جنگوں سے اس قدر ہراساں نہیں جس قدر اس کی برقی تاثیر سے۔

وجوہِ اعجاز میں سے اس معجز پہلو پر قرآن روشنی ڈالتے ہوئے فرماتا ہے۔ وَكَذَالِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۔ یعنی یہ قرآن روح ہے جس کو ہمارے حکم نے موثر طاقت بخشی ہے اور قد جاءَكُم مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ ۔

حاصل یہ کہ جو اس پر ایمان لاتا ہے۔ اس کے حق میں یہ کتاب روح بھی ہے اور نور بھی۔ ایک جگہ ارشاد ہوا من عمل صالحاً من ذكرٍ او انثىٰ فلنحيينّه حياة طيبة یعنی یہ وہ روح ہے جو حیات طیبہ بخشتی ہے ایک اور جگہ فرمایا گیا اِسْتَجِيْبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ یعنی اللہ و رسول کی بات مانو جب کہ وہ تمہیں اس کلام کیطرف بلاتے ہیں جو تمہیں حیات بخشے گا۔

یہ معجز تاثیر یا عظیم کامیابی جس پر ہم کلام کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ ہر اُس شخص کو قابو میں لیتی چلی گئی جس نے قرآن کو تدبر، گہرائی اور انصاف سے پڑھا۔ جو قرآن کی عربی اسلوبوں کا ماہر تھا۔ جو شان نزول یعنی اُن واقعات و احوال کا واقف تھا کہ جن میں وہ آیات نازل ہوئیں۔ مخاطبین کے قلوب پر یہ استیلاء ایک قاہری قوت کی نمود تھی گو کوئی بھی بظاہر قاہر موجود نہ تھا۔ اثرات جادو کے سے تھے۔ مگر جادو نہ تھا عجیب یہ کہ یہ تاثیر دوست و دشمن دونوں پر تھی۔ بات دراصل یہ تھی کہ وہ اہلِ عربیت تھے، ان کی فطری عربی اسالیب کے سانچے میں ڈھلی ہوئی بلیغ عربی نے ان کے احساسات کو جکڑ کر رکھ دیا یہ برقی طاقت تھی۔ یہ مقناطیسی کشش تھی۔ یہ انوار ربانی کی چکاچوند شعاعیں تھیں جس کے سامنے انسانوں کی انانیت، ذاتی خیالات، سوسائٹی اور ماحول کے رسوم و رواج کی بندھن ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔

چند واقعات بطور نمونہ درج ذیل ہیں :-

دشمنوں پر اثر

مسلمانوں کے ساتھ کفار کی حالت جنگ اور باہمی تنافر کے باوجود قرآن سننے کی بے قراری فطری طور پر ان میں موجود تھی، اندھیری راتوں میں جب مسلمانوں کے گھروں میں سے تلاوت قرآنی کی آوازیں آتیں تو کفار چھپ چھپ کر سنتے تھے۔ یہ اس لیے کہ قرآن ان کے احساسات پر قابو پا چکا تھا لیکن ان کا عناد، تکبر اور حق سے نفرت نے ایمان لانے سے ان کو روکے رکھا۔ بَلْ جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُوْنَ ۔

سرداران قریش کی یہ کوشش تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام، مجمعوں اور بازاروں میں قرآن شریف کی تلاوت سے روکا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے گھر کے صحن میں قرآن شریف پڑھتے تو کفار کو سخت

فکر ہُوئی کہ ہمارے بچے اور عورتیں جوجمع ہوکر شوق سے تلاوت سنتے ہیں کہیں ابوبکرؓ کی طرح اثر پذیر نہ ہوجائیں۔

قرآن کی تاثیری قوت سے کفار اس قدر ہیبت زدہ تھے کہ جب ان کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تو وہ قرآن کی تلاوت کے دوران دیوانوں کی طرح شور مچانے لگے تاکہ کوئی قرآن سن نہ سکے - وقال الذین کفروا لا تسمعوا لهذا القران والغوا فیه لعلکم تغلبون۔

صنادید عرب کی بہادری اور قومی غیرت جوش پر تھی، حتیٰ کہ ایک روز عمر بن خطابؓ تلوار سونت کر گھر سے نکل کھڑے ہوئے کہ قرآن کی اور قرآن لانے والے کی دونوں کی دعوت کو آج ختم کر دیتا ہوں - کچھ دیر نہیں گزرتی کہ عنایت الٰہی دامن تھام لیتی ہے، ان کو بہن کی زبانی قرآن کی چند آیات سننے کا موقع ملتا ہے اور وُہ وہیں اپنا دل تھام کر رہ جاتے ہیں۔

کتب سیرت میں یہ واقعہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر مدینہ والوں کی جب پہلی بیعت عقبہ ہُوئی تو آپؐ نے ان کی درخواست پر دو جلیل صحابی مصعب بن عمیر اور عبداللہ بن ام کلثوم رضی اللہ عنہما کو تبلیغ کے لیے مدینہ روانہ فرمائے۔ اپنی تبلیغی مہم میں ان دونوں بزرگوں کو زبردست کامیابی ہوئی۔ مدینہ میں ایک فکری انقلاب تھا۔ اور بشارتِ اسلام کے لیے قلوب کے دروازے کھل چکے تھے۔ قبیلۂ اوس کے سردار سعد بن معاذ نے یہ دیکھا تو گھبرائے، اپنے بھائی اُسید بن حُضیر سے کہا کہ ان دونوں کے پاس جاکر کہو کہ یہاں کیوں سیدھے سادھے لوگوں کو تم بیوقوف بنانے آئے ہو؟ جاؤ مکہ واپس چلے جاؤ۔ اسید نے جاکر یہ بات کہی اور دھمکی دی کہ اگر جان کی سلامتی چاہتے ہو تو فوراً یہاں سے رفو چکر ہوجاؤ۔ حضرت مصعبؓ نے اس تمام تہدید و درشتی کو نظر انداز کرتے ہُوئے ایمانی وقار کے ساتھ فرمایا۔ تھوڑی دیر کے لیے ذرا ہمارے پاس بیٹھو، ہم سے کچھ سنو اگر دل چاہے تو قبول کر لینا، اگر تمہیں ناگوار ہُوئی تو ہم فوراً یہ کلام بند کر دیں گے۔ غرض مصعبؓ نے قرآن پڑھا اسید کی حالت یہ ہے کہ سنتے ہیں اور اپنے قلب و ذہن پر انوار ربانی کی بارش برستی محسوس کرتے ہیں۔ مسلمان ہوجاتے ہیں - ٹھنڈی ٹھنڈی آہیں بھرتے ہُوئے واپس آکر سعد بن معاذ سے صرف اس قدر کہا بھائی جان! یہ دونوں بزرگ اچھے آدمی ہیں ان سے کوئی ضرر نہیں ہوگا۔ سعد بن معاذ اس جواب سے ناراض ہوگئے جوش ناراضگی میں غصہ سے لال پیلے ہوتے ہوئے خود روانہ ہُوئے۔ اور وہی کچھ ہُوا جو پہلے اُسید کے ساتھ ہوچکا تھا۔ سعد بن معاذ بھی مسلمان ہوچکے تھے۔ واپس اپنی جگہ آئے۔ تمام قبیلہ والوں کو جمع کیا۔ فرمایا میرے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟

جواب ملا۔ سیدنا وابن سیدنا، یعنی ہمارے سردار ہو اور سردار کے بیٹے ہو۔ سعد بن معاذؓ نے فوراً باآواز بلند کہا، تم میں کسی مرد یا عورت سے بات چیت مجھ پر حرام ہے۔ جب تک کہ تم مسلمان نہیں ہو جاؤ گے۔ اسی وقت تمام لوگ مسلمان ہو گئے۔

مسلمانوں میں قرآن کی برقی تاثیر

یہ عمرؓ یہ سعد بن معاذؓ اور اُسیدؓ مسلمان ہو کر صرف اپنے غصوں کو فرو کر کے ہی چلے نہیں گئے بلکہ اسلام کے بہترین سپاہی، جانباز داعی اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اولوالعزم ساتھی ثابت ہوئے۔

خود مسلمانوں میں قرآن کی یوں شان جلوہ گر ہوئی کہ قرآن پڑھنے اور حفظ کرنے کی رغبت پیدا ہوئی۔ نماز اور نماز سے فارغ قرآن کی تلاوت کا ذوق و شوق ایک ایک فرد میں پایا گیا۔

تہجد کے لیے شب بیداریاں اور قرآن کی تلاوتیں مسلمانوں کا محبوب شغل بن گیا۔ یہ حال عام تھا کسی خاص فرد یا گھرانہ کا نہیں اور نہ نادر الوقوع تھا۔ صحابہ کرام کے گھروں سے گذرنے والا رات کا راہی ہر گھر سے قرآن کی تلاوت کی ایسی مسحور و پر نغمہ آواز سنتا کہ گویا قلوب حزیں میں ستار کے تاروں کو کوئی دھیمے سُروں میں چھیڑ رہا ہے۔

صحابہ میں فضیلت کا معیار قرآن کی محفوظ مقدار سے ہوتا۔ جس کو جس قدر زیادہ یاد اتنا ہی وہ بڑا آدمی امامت و سرداری کے لیے وہی لائق سمجھا جاتا۔

کوئی عورت نکاح کے لیے اس شرط پر راضی ہو جاتی کہ نکاح کے بعد اس کا خاوند اسے قرآن کی تعلیم دے گا۔ اسے سورتیں یاد کرائے گا۔ گویا یہ اس کا قابلِ رشک مہر ہوتا تھا۔

قرآن پر عمل اور اس کے احکام کی تنفیذ نے قرآن کے خلاف زندگی کو یکسر ختم کر دیا، اب مسلمانوں کے دل قرآن ہی سے راضی تھے۔ ان کے اعضاء و جوارح اسی دستور کے آگے فرمانبردار تھے۔ قرآن نے اُن کو اپنی اطاعت میں اس قدر مستعد کر دیا تھا کہ گویا اب جہاں نیا تھا، زمین نئی تھی، آسمان نیا تھا۔ وہ پہلے لوگ کہیں دور چلے گئے تھے اور بالکل ہی ایک نئی جماعت اور نیا معاشرہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس نئے مجمع کا عقیدہ مستقیم تھا۔ عبادت میں مضبوطی تھی۔ عادات میں پاکی تھی۔ اور اخلاق کریمانہ و شریفانہ تھے۔

قرآن کو پھیلانے میں صحابہ کرام نے جانیں لڑا دیں۔ مخالفوں کے مقابلہ میں دفاع کیا۔ اخلاص کے ساتھ آگے بڑھے۔ اللہ سے جو معاہدہ کیا اس کو سچا کر دکھایا۔ قرآن نے اس پر ان کو سند عطا فرمائی۔

فمنھم من قضی نحبہٗ و منھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا ۔ بعضوں نے اپنی جانیں قربان کر ڈالیں، اور بعض انتظار میں ہیں (بہر حال) ان کی دینی وفاداریوں میں قطعاً کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

قرآن کا پڑھنے والا ہر ایک مجاہد تھا - وہ اپنی جان اپنا مال سب کچھ اس قرآن کی حفاظت میں لگا دینا چاہتا تھا۔ معاملہ یہاں تک بھی پہونچا کہ وہ نوخیز نوجوان جنہیں جنگ کے میدان میں جانے کے قابل نہ ہونے کی بناء پر واپس ہونے کو کہا گیا تو پیچھے ہٹنے پر کسی طرح راضی نہ ہوئے۔

معذور افراد، جنگی اخراجات کی کمی کے باعث رہ جانے والے مجاہد جہاد میں نہ جا سکنے کی وجہ سے زار زار روتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کی دل شکنی کے باعث خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی روانگی ملتوی فرما دیتے ہیں۔ اور لشکر جہاد روانہ ہو جاتا ہے۔

لیس علی الضعفاء ولا علی المرضی ولا علی الذین لا یجدون ما ینفقون حرجٌ اذ نصحوا للہ ورسولہ ۔ جہاد میں نہ جا سکنے والے ضعیفوں اور مریضوں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ ان لوگوں پر جو اخراجات نہیں رکھتے، جبکہ وہ اللہ و رسول کے ہمدردی میں لگے رہیں۔

ولا علی الذین اذا ما اتوک لتحملھم قلت لا اجد ما احملکم علیہ تولوا و اعینھم تفیض من الدمع حزناً الا یجدوا ما ینفقون ۔ اور نہ ہی ان لوگوں کے لیے کوئی تنگی ہے کہ آپ کے پاس جب آتے ہیں اور درخواست کرتے ہیں۔ کہ آپ انکو جہاد میں بھیجیں تو آپ فرماتے ہیں کہ میرے پاس تمہارا خرچ نہیں تو وہ اس حالت میں واپس لوٹتے ہیں کہ ان کی آنکھوں میں آنسو بہتے ہوئے ہوتے ہیں۔ کہ افسوس ان کو خرچ کی سہولت حاصل نہ ہوئی۔

دنیا میں انبیاءؑ اور مصلحین آتے رہے ہیں۔ علماء اور قانون سازوں کی بھی کمی نہیں رہی، فلاسفہ اور معلمین اخلاق بھی آئے۔ حکام و حکمران بھی آئے مگر کسی کو بھی وہ کامیابی وہ بلندی نصیب نہ ہوئی جو قرآن کی خوشگوار مدنی نشأت و تحریک کو نصیب ہوئی۔ عقائد و اخلاق عبادات و معاملات سیاست و تنظیم اصلاح انسانی کے تمام گوشوں میں سنہری تعلیم و تربیت کا سنہری دور اگر تاریخی اوراق میں ڈھونڈنا چاہتے ہو تو دورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر ٹھہریئے یہ سب کچھ آپ کو وہیں ملے گا۔ بیس سال کی قلیل ترین مدت میں آپ نے امت عربیہ کو حیات بخشی، ان میں وہ روح پھونکی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی عالم میں ہر طرف نفوذ کرتے چلے گئے۔ قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں فتح کر ڈالیں۔ ان کا ایک سپہ سالار افواج مشرق کی طرف چلا گیا اور ایک بے دھڑک ہو کر مغرب

کی طرف نکل گیا۔ ان کے جھنڈے صرف ایک ڈیڑھ صدی میں نصف دنیا پر لہرانے لگے۔

کیا یہ جادو تھا ؟ یا یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسولؐ من رب العلمین ہونے کی نہایت واضح برہانِ عقلی تھی۔

فرانسیسی فلاسفہ میں ایک فلسفی نے یورپ کے مورخوں کے زعمِ باطل کو کیسی حقارت سے ٹھکرایا۔

نصرانیت کے پرچاروں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات موسیٰ وعیسیٰ (علیہما السلام) کے سے شاندار معجزات نہیں ہو سکے تو فرانسیسی فلسفی نے کہا۔

ان محمداً كان يقرأ القرآن خاشعا اوّاها متاءلها فتفعل قراءته في جذب الناس الى الايمان به مالم تفعل جميع ايات الانبياء الاولين۔

حضرت محمدؐ قرآن کریم پڑھتے تھے عاجزی اور دل سوزی کے ساتھ تو آپؐ کی تلاوت لوگوں کو ایمان کی طرف کھینچنے میں وہ تاثیر کرتی تھی جو پہلے انبیاء کے معجزات نہیں کر سکتے تھے۔

چند ضروری اعلانات

• کاغذ کی موجودہ ہوشربا گرانی کے پیش نظر کارکنانِ جامعہ مدنیہ نے آئندہ انوار مدینہ کو سفید کاغذ کے بجائے نیوز پیپر پر طبع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ فیصلہ تاوقتیکہ کاغذ مناسب داموں پر دستیاب نہ ہو۔ یا انوار مدینہ کی اشاعت اتنی زیادہ نہ ہو کہ موجودہ گرانی کا متحمل ہو سکے برقرار رہے گا، امید ہے قارئین کرام اس انتہائی مجبوری کے تحت ہونے والے فیصلہ پر کبیدہ خاطر نہ ہوں گے۔

• حضرت مہتمم صاحب مدظلہم نے تمام فضلاءِ جامعہ مدنیہ کے نام انوارِ مدینہ مفت جاری کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ اس لیے فضلائے جامعہ سے درخواست ہے کہ وہ جلد از جلد اپنے اپنے پتوں۔ سند نمبر۔ اور اگر سند ابھی نہیں لی تو سنِ فراغ وغیرہ سے آگاہ فرمائیں تاکہ ان کے نام ذوالحجہ سے رسالہ جاری کیا جائے۔

• گذشتہ سال جامعہ مدنیہ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری **محمد طیب** صاحب مدظلہم مہتمم دارالعلوم دیوبند نے بخاری شریف کا ختم کرایا تھا۔ اس موقع پر آپ نے جو حکیمانہ تقریر ارشاد فرمائی تھی۔ وہ اگلے شمارہ میں طبع ہو رہی ہے۔ قارئین کرام اس عدیم النظیر تقریر کو پڑھ کر یقیناً محظوظ ہوں گے۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

احسان دانشؔ

نعت

پاکستان کے معروف شاعر جناب احسان دانش کو اسی سال رمضان المبارک سے کچھ پہلے روضۂ اقدس پر حاضری کا شرف میسر آیا۔ وہاں سے تشریف لاتے ہی آپ نے انوار مدینہ کے لیے یہ نعتیہ کلام عنایت فرمایا فجزاھم اللہ خیرا

بے فکر ہے ہر بے سر و سامانِ مدینہ
اللہ کا مہمان ہے مہمانِ مدینہ

ہر سینۂ مومن میں اجالا ہے اسی سے
روشن ہے جو یہ شمع شبستانِ مدینہ

اک عمر سے تھا ماہئ بے آب کی صورت
سینے میں لیے حسرت و ارمانِ مدینہ

جو جس نے یہاں مانگ لیا لے کے گیا ہے
اللہ رے درِ سیدِ ذی شانِ مدینہ

ہر شخص ہے دیوانۂ دیدار و شفاعت
ہر چہرہ ہے آئینۂ حیرانِ مدینہ

پھیلائے ہیں شاہوں نے جہاں بھیک کو دامن
مَیں بھی ہُوں گدائے درِ سُلطانِ مدینہ

ہر شخص کے چہرے پہ ٹھٹھکتی ہیں نگاہیں !!
شاید ہو کوئی صاحبِ عرفانِ مدینہ

سب ایک ہیں اس در پہ مہاجر ہوں کہ انصار
سب کے نگہ و دل ہیں ثناخوانِ مدینہ

مجُھ کو کسی فرقے سے تعلق نہ تعصب
مشرب ہے مرا مشربِ سُلطانِ مدینہ

بات ان کے کرم کی ہے یہ، ہر شخص کو ورنہ
ادراک مدینہ ہے نہ عرفانِ مدینہ

اُن کا کرمِ خاص ہے دانشؔ کی حضوری
اک خار بھی ہے زیبِ گُلستانِ مدینہ

صحابۂ کرامؓ اور اُن کا اکرام و احترام

از امام اہل سُنّت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی

حق تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب اور آخری شریعت کا محافظ و نگہبان اور اس کا مبلغ و معلم جن حضرات کو بنایا انہیں کو اہل اسلام صحابہ کرام کہتے ہیں۔

سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے لیے اور قیامت تک کے لیے ہادی و پیشوا بن کر ملک عرب میں تشریف لائے۔ اور ۲۳ برس اس خاکدان فانی میں قیام فرمایا۔ اور اپنے فرائض کو باحسن وجوہ پورا کر کے عالم جاودانی کو تشریف لے گئے۔ آپ کے بعد تمام عالم میں اسلام کی تبلیغ کرنے والے اور ساری دنیا میں اس بات کی شہادت دینے والے کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور اپنے کانوں سے ان کے اعلان نبوت کو سنا ہے اور ان کے معجزات و دلائل نبوت کا ہم نے خود مشاہدہ کیا ہے اور ہم نے خود انہیں سے تعلیم پائی ہے۔ صحابہ کرامؓ ہی تھے۔

خداوند کریم نے بہترین انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو جامع کمالات بنایا اور بہت سے کمالات آپ کو ایسے عطا فرمائے۔ کہ آپ سے پہلے کسی کو نہیں ملے منجملہ ان مخصوص کمالات کے ایک نمایاں کمال آپ کو سرعت تاثیر کا عطا فرمایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو کام آپ سے ۲۳ برس میں انجام کو پہنچا۔ انبیاء سابقین علیہم السلام سے اس سے دونی چوگنی مدت میں بھی نہ ہو سکا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی نو سو پچاس برس کی محنت کا نتیجہ قرآن مجید میں ارشاد ہُوا ہے۔ کہ وَمَا اٰمَنَ مَعَہٗ اِلَّا قَلِیْلٌ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ برس کی کوشش کا نتیجہ یوں بیان فرمایا گیا۔

ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجاً یہی وجہ ہے۔ کہ جو کثرت آپ کے اصحاب کرامؓ کی ہے۔ اور جیسے کمالات ان میں ہیں یہ بات اور کہیں نہیں مل سکتی، غزوۂ بدر میں آں حضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے ہمراہ تین سو چودہ صحابی تھے اور حدیبیہ میں پندرہ سو فتح مکہ میں دس ہزار۔ حنین میں بارہ ہزار۔ حجۃ الوداع میں چالیس ہزار۔ غزوۂ تبوک میں ستر ہزار اور بوقت وفات ایک لاکھ چوبیس ہزار (دیکھو مجمع بحار الانوار)

دین اسلام میں صحابہؓ کا مرتبہ بہت بڑا ہے ان کا تقویٰ و تقدس ان کے فضائل و کمالات مابعد والوں کو نصیب نہیں ہو سکتے: کوئی بڑے سے بڑا ولی کسی ادنیٰ صحابیؓ کے مرتبہ کو نہیں پا سکتا۔ صحابہ کرامؓ کی محبت وسیلۂ نجات ہے اور ان کا ذکر ذخیرۂ آخرت ہے۔

فطرت انسانیہ کا ایک ممتاز خاصہ ہے کہ اخلاف اپنے اسلاف کی عزت کریں اور اسلاف کے کارناموں کو زندہ رکھیں۔

اسی فطرت کے مطابق ہر امت نے اپنے نبی کے اصحاب کا احترام مذہب کا اہم ترین فریضہ قرار دیا آج جس عیسائی سے چاہو پوچھ کر دیکھ لو کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی کس قدر عزت کرتا ہے۔ علیٰ ہذا یہودیوں کو دیکھو کہ وہ اصحاب موسیٰ علیہ السلام کو کس قدر مانتے ہیں۔ اور ان کی فضیلت کا کیسا راسخ اعتقاد رکھتے ہیں۔

اہل اسلام بھی اسی فطرت کے مطابق صحابہ کرامؓ کو افضل امت مانتے ہیں۔ علاوہ اس تقاضائے فطرت کے صحابہ کرامؓ کی فضیلت اور ان کے تقدس و طہارت کے متعلق حسب ذیل عقلی و نقلی دلائل بھی ہیں جو ہر کلمہ گو کو صحابہ کرامؓ کا معتقد بنانے کے لیے کافی ہیں۔ یہاں ہم بنظر اختصار چند دلائل کو درج کرتے ہیں:۔

قرآن مجید کو دیکھئے تو صحابہ کرامؓ کے متعلق ایسی آئتیں آپ کو ملیں گی جن کے بعد کوئی مسلمان صحابہ کرامؓ کے فضائل کا انکار نہیں کر سکتا۔

اس وقت ان سب آیتوں کو تو نہیں لکھا جا سکتا البتہ ان کے مضامین کی نوعیت بطور مثال کے بیان کی جاتی ہے۔

کچھ آئتیں وہ ہیں جن میں مطلقاً تمام صحابہ کرامؓ کے فضائل کا بیان ہے۔ مثلاً یہ آیت ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم (الآیہ) یعنی اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں رچا دیا ہے۔ اور کفر اور فسق اور نافرمانی سے تم کو متنفر کر دیا ہے۔ یہ صفات جن کی ہوں ان کے کمال ایمان اور مقدس و متقی ہونے میں کس کو شک ہو سکتا ہے۔ اور مثلاً یہ آیت الزمھم کلمۃ التقوی وکانوا احق بہا واھلہا یعنی اللہ نے صفت تقویٰ کو ان کے لیے لازم کر دیا ہے۔ کہ اب وہ ان سے جدا نہیں ہو سکتی۔

اور وُہ اس انعام کے سب سے زیادہ مستحق اور اہل تھے۔

کچھ آیتیں وُہ ہیں جن میں خاص مہاجرو انصار کے فضائل کا بیان ہے۔ مثلاً السابقون الاوّلون من المہاجرین و الانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ واعد لھم جنت تجری تحتھا الانہار خالدین فیھا ابدا ذالک الفوز العظیم۔ یعنی وُہ مہاجرین وانصار جنہوں نے سب سے پہلے اس کام میں سبقت کی اور نیز وُہ لوگ جو نیکی میں ان کے پیرو ہیں اللہ ان سے راضی ہے ۔ اور وہ اللہ سے راضی ہیں ۔ اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وُہ ہمیشہ ان باغوں میں رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔

کچھ آیتیں وُہ ہیں جن میں خلفائے راشدین کے خلیفہ برحق ہونے کا بیان ہے ۔ مثلاً آیۂ استخلاف جس میں حق تعالیٰ نے نزول آیت کے وقت جو مومنین موجود تھے ۔ ان کو مخاطب فرما کر خلافت اور تمکین دین اور تبدیل خوف بامن کا وعدہ فرمایا ہے ۔ اور سب مانتے ہیں ۔ کہ اس وقت کے مسلمانوں میں یہ تینوں چیزیں سوا حضرات خلفائے ثلاثہ کے کسی میں نہ تھیں ۔ اور آیت تمکین جس میں حق تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ مہاجرین میں سے جس کو بھی زمین کی تمکنت ملے گی وُہ نماز قائم کرے گا ۔ زکوٰۃ دے گا ہماری مرضیات کا حکم دے گا ۔ اور ہماری نامرضیات سے روکے گا ۔ ان دونوں آیتوں کی مستقل تفسیریں شائع ہو چکی ہیں ان کو دیکھ کر پورا استدلال معلوم ہو سکتا ہے ۔

ان آیات قرآنیہ کے بعد احادیث نبویہ کو دیکھو تو ایک سے ایک بڑا دفتر ہے ۔ المختصر یہ عقلی و نقلی دلائل ہیں جو اہل اسلام کو بلکہ بعض دلائل غیر مسلمین کو بھی صحابہ کرامؓ کے متعلق اعلیٰ ترین اعتقاد پر مجبور کرتی ہیں ۔

اگلے شمارہ میں

حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب مدظلہم کی تقریر۔ اولٰئک ھم الراشدون کی تیسری قسط۔ حضرت مہتمم صاحب مدظلہم کا درس حدیث۔ حیاتِ شیخ الاسلام کی دوسری قسط۔ عید کے مسائل و فضائل اور نامور شعراء کی نظمیں ملاحظہ فرمایئے ۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب
مہتمم مدرسہ رشیدیہ لاہور

انکارِ حدیث کا تاریخی پس منظر

تاریخ کے اوراق شہادت دیتے ہیں کہ سن ۱۲۰۰ھ تک پوری دنیا میں مسلمانوں کا عروج رہا۔ اور ہر میدان میں دنیا کی ہر قوم کے لیے ان کی قیادت مسلّم رہی ہے۔ مگر سن ۱۳۰۰ھ کے آخر میں دنیا نے ایک نئی کروٹ لی اور یورپ میں صنعتی انقلاب نے دنیا کی آنکھیں اپنی طرف لگا لیں۔ وہاں کے مذہبی گروہ نے اس انقلاب کا مقابلہ کرنا چاہا۔ اور سائنس کی نئی نئی اختراعات و انکشافات کو مذہب کی رو سے غلط ثابت کرنے کی مجنونانہ کوشش شروع کر دی۔ چنانچہ دُوربین کے موجد گلیلو کو اس جرم کی پاداش میں سولی پر چڑھا دیا گیا۔ کہ اس نے جادو سے ایک ایسی چیز بنا لی ہے۔ جو خلاف توقع چیز دکھلاتی ہے۔ یعنی دور کی چیز کو قریب اور چھوٹی چیز کو بڑا دکھلانا ان کے نزدیک جادو قرار پایا۔ مگر جوں جوں یہ انقلاب ترقی کرتا گیا توں توں نئی نسل مذہب سے برگشتہ اور مخالف ہوتی چلی گئی۔ نتیجتہً یورپ میں مذہب کو عملی زندگی سے خارج کر دیا گیا۔ اس کی صداقت سے ہاتھ اٹھا لیے گیے۔ اور پوری کی پوری قوم صنعتی انقلاب کے لیے دیوانہ وار سرپٹ دوڑ پڑی۔ اور راستہ کے ہر حائل کو مٹاتی چلی گئی۔ اب یورپ کو اپنی مصنوعات کی کھپت کے لیے عالمی منڈیوں کی تلاش کرنا پڑی۔ اور اس کے وفود مختلف ممالک میں اس غرض کے لیے پھیل گئے یہ تو تصویر کا ایک رخ تھا۔ اب مسلمان ممالک اور جن ممالک کو یورپ نے اپنے مقصد کے لیے چنا ان کا مختصر حال بھی معلوم کر لیجیے۔ مسلمان ممالک میں اسلامی جمہوریت ختم ہو کر شخصی حکومتیں اپنی تمام لازمی برائیوں کو پال رہی تھیں۔ امراء عیاش اور نکمّے ہو چکے تھے۔ اور علماء حق کا ایک گروہ ہر جگہ حق گوئی کے جرم میں پٹ رہا تھا۔ عوام کی اکثریت مذہب کے عملی حصّہ سے دستبردار نظریاتی موشگافیوں میں

باہم دست و گریبان تھی۔ اور اخلاقی آوارگی باد صرصر کے تھپیڑے بنکر قوم کی جڑوں کو ہلا رہی تھی۔
غیر مسلم حکومتوں کا حال اس سے بھی بدتر تھا۔ یہ بھی بداعمالی و بداخلاقی کے قدرتی نتائج بد کے پنجہ میں پھنسی ہوئی اپنی ہلاکت و بربادی یا محکومی و غلامی کے شب و روز کے انتظار میں تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ انگریز جہاں بھی گئے بادنیٰ مزاحمت کامیاب ہوتے گئے۔ اور تھوڑے عرصہ میں دنیا کی کئی حکومتوں کو تہ و بالا کرکے ان پر قابض ہوگئے۔ فاتح قوم کے لیے مفتوح اقوام کو اپنے چنگل میں پھنسائے رکھنا سب سے اہم سوال ہوتا ہے۔ اس غرض کے لیے انگریزوں نے مفتوح اقوام کا بہت ہی گہرا جائزہ لیا۔ اور اپنے مقصد میں بہت حد تک وہ کامیاب بھی ہوئے۔ انہوں نے ہر قوم کا مزاج معلوم کیا اور اس کیمطابق اپنا لائحہ عمل مرتب کیا۔ اس مزاج دانی کے بارے میں کیا اچھا کہا گیا ہے ؎

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم گر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

انہوں نے اس امر کو محسوس کیا کہ مسلمانوں کی ترقی ان کے مذہب سے والہانہ تعلق کے باعث تھی۔ اور آئندہ بھی جب کبھی وہ سرچشمہ حریت قرآن و حدیث کی طرف آئیں گے۔ تو یہ ہمارے لیے خطرات کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے اس کی طرف توجہ کی اور بالآخر یورپ سے پادریوں کے غول مفتوحہ ممالک میں پہنچنے شروع ہوگئے۔ پھر کیا تھا۔ ہر ہر مقام پر اسلام اور مسیحیت پر مناظرہ و مباحثہ کا بازار گرم ہونے لگا۔ مگر نتیجۃً پادری شکست کھاتے اور مسلمان علماء کے سامنے ان کی دال نہ گلتی۔ اس طرز عمل سے اہل یورپ کو یہ فائدہ تو ہوا کہ اپنے ملک میں پادریوں کی توتکار سے انہیں نجات ملی اور ان کے ہاتھ ایک دھندا دے کر ملک باہر کرکے اپنی مرضی سے قانون سازی کرتے رہے مگر یہ مقصد پورا نہ ہو سکا کہ مسلمان اپنے مسلمات میں متردد ہو کر اسلام سے باغی ہو جائیں۔ اس غرض کے لیے انہوں نے پادریوں کا محاذ بدلا۔ اور پنچ اور ارذل اقوام کی طرف بحث و استدلال سے نہیں علاج و پیسہ سے مسیحیت پھیلانے پر ان کو لگا دیا۔ چنانچہ افریقہ کے وحشیوں اور ہندوستان کے اچھوت کو ہدف بنایا اور یہ مصروف تبلیغ ہوگئے۔ مزید براں عام مسلمانوں کے لیے انہوں نے ایک اور فتنہ کھڑا کر دیا۔ جسے فتنۂ استشراق کہا جا سکتا ہے۔ ان لوگوں کا کام یہ تھا کہ وہ مسیحیت کی طرف سے دفاعی جنگ بالکل بند کر دیں۔ اور اسلام کی طرف سے ہونے والے تمام لاینحل اعتراضات کا رخ نئے قالب

لباس میں ڈھال کر اسلام ہی سے اقدامی جنگ کا آغاز کر دیں۔ اور ساری کمزوریاں جو مسیحیت میں پائی جاتی ہیں اسلام میں ثابت کرنے لگ جائیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے اس سلسلہ میں جو وسائل اختیار کیئے منجملہ ان کے ایک انکار حدیث بھی ہے۔

اسلام کا مسیحیت پر ایک بھاری اعتراض یہ تھا کہ جو کتب تمہارے دینی معتقدات و اعمال کا مآخذ و بنیاد ہیں خود ان کی حیثیت محرف و مخترع سے زیادہ نہیں ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ دنیائے عیسائیت علمی میدان میں اس سوال کے آگے شرمندہ ہے اور اس کے پاس اس حقیقت کو جھٹلانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ انہوں نے اس سوال کو چھپانے کے لیے احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تدوین و تاریخیت کو آڑ بنایا۔ اور پوری قوت سے یہ شور مچادیا۔ کہ خود احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ محرف و مخترع ہیں۔ اور پھر مکاری و عیاری کی تمام انواع اس کوشش میں صرف کردیں کہ احادیث کی تدوین نہ تو دورِ صحابہؓ میں ہوئی نہ دورِ تابعینؒ میں۔ یہ تو سارا غلغلہ امام شافعیؒ کا کھڑا کیا ہوا ہے۔ لہذا دین کا ایک بڑا حصہ محض مخترعات پر قائم ہے۔ اور صدیوں سے مسلمان اس محرف و مخترع دین کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ اس سے آگے قدم بڑھایا تو خود قرآن حکیم کی منسوخ آیات اور لغاتِ مختلفہ کے مسئلہ کو آڑ بنا کر تحریفِ قرآن کا شور مچایا۔ چنانچہ جیفری مستشرق نے المصاحف لابی داؤد کے مقدمہ میں اپنی پوری قوت اس نظریہ پر صرف کردی ہے۔ ان کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کا مغربی تعلیم یافتہ طبقہ ان افکارِ باطلہ کا شکار ہونے لگا۔ اور بدقسمتی سے ایک مستقل گروہ ان نظریات کی اشاعت میں سرگرم عمل ہوگیا۔ ہمارے ہاں انکارِ حدیث کی کچھ اور وجوہ بھی ہیں۔ جن سے بعض لوگوں نے ٹھوکر کھائی ہے۔ مگر اس کا تاریخی پس منظر وہی ہے جو گذشتہ سطور میں ذکر ہوا ہے۔

✻

جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں ۔۔۔ ترے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار

تو بوئے گل ہے اگر مثلِ گل ہیں اور نبی ۔۔۔ تو نورِ دیدہ ہے گر ہیں وہ دیدۂ بیدار

حضرت نانوتویؒ

حیاتِ شیخ الاسلام قدس سرہ

(ذیل کا مضمون مخدومنا المکرم حضرت مولانا سید محمد میاں مدظلہم کی شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی پاکیزہ زندگی کے حالات پر مشتمل کتاب "حیاتِ شیخ الاسلام" سے پیش کیا جاتا ہے۔ (یہ کتاب حضرت مدنیؒ رحمہ اللہ کی زندگی میں لکھی گئی ہے)

قسطِ اوّل

اِن اوراق میں ایسے بزرگ کے حالاتِ زندگی پیش کئے جا رہے ہیں جس سے ہندوستان اور بیرونِ ہند کے لاکھوں مسلمان بلا واسطہ یا بالواسطہ تعلق تلمذ رکھتے ہیں یا رابطہ ارادت وعقیدت۔ ان لاکھوں ارادتمندوں کے جذبات و عقیدت ومحبت صرف اسی صورت میں سکون پذیر ہو سکتے ہیں کہ اس بزرگ محترم کو "شیخ الاسلام" کے خطاب سے یاد کیا جائے ممکن ہے ان کا ولولۂ ارادت قطب العالم یا مجدد ملت کے موزوں لقب سے بھی مطمئن ہو جائے لیکن اس سے کم کوئی خطاب ان کو مسرور نہیں کر سکتا۔ لیکن زمانہ کی یہ بوالعجبی بھی مؤرخ کو نظر انداز نہ کرنی چاہیئے کہ چند سال سے ابناءِ دنیا، کے ایک طبقہ کے دلوں کی ٹھنڈک اس میں ہے کہ اس قطبِ عالم کی زیادہ سے زیادہ توہین کی جائے اور تنقیص شان کی ہر ایک صورت پر پوری طرح عمل کیا جائے۔ بیشمار رسائل اور پمفلٹ اس مقصد کے لئے شائع کئے جا چکے ہیں اور بے شمار اخبارات کے کالم اس خدمت کے لئے وقف ہیں، لیکن کیا ابناءِ دنیا کی یہ خواہش اور ان کی یہ جدوجہد شانِ قطبیت کے منافی

ہے اور کیا ابناءِ زمانہ کی اس حرکت سے دامن مجددیت پر دھبہ لگتا ہے یا شیخ الاسلام کی عظمت وجلالت کی روشن پیشانی اس سے داغدار ہو جاتی ہے، نہیں ہرگز نہیں ہمیشہ سے ابناءِ دُنیا کا یہی دستور رہا ہے، ان کی کوتاہ بین نگاہیں وقت پر صحیح بصیرت سے خیرہ ہوتی رہی ہیں اور وقت گذرنے کے بعد کفِ افسوس ملتی رہی ہیں، کسی مجدد یا قطب کی تو حقیقت کیا اولو العزم انبیاء اور جلیل القدر مرسلین علیہم السلام کے ساتھ ان کا یہی طرزِ عمل رہا ہے۔ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوا لَوْلَا أُوتِيَ مِثْلَ مَا أُوتِيَ مُوسَىٰ أَوَلَمْ يَكْفُرُوا بِمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ مِن قَبْلُ قَالُوا سِحْرَانِ تَظَاهَرَا وَقَالُوا إِنَّا بِكُلٍّ كَافِرُونَ۔ سورۂ قصص۔ جب اُن کے سامنے سرورِ کائنات کا پیش فرمودہ حق آیا تو کہنے لگے جیسا معجزہ موسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا تھا ایسا ہی معجزہ خاتم الانبیاء علیہم السلام کو کیوں نہیں دیا گیا۔ کیا جو معجزہ موسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا تھا اس کا انکار نہیں کیا تھا؟ ان دُنیا پرستوں نے اس وقت کہا تھا کہ موسیٰ اور ہارون علیہم السلام دونوں جادُوگر ہیں، ان دونوں نے آپس میں ملی بھگت کرلی ہے۔ اور بڑے زور سے کہا، ہم کسی کو نہیں مانتے، وائے ناکامی آفتاب رشد وہدیٰ بار بار طلوع ہو رہا ہے۔ مگر خیرگیِ چشم ہر ایک نُور کو ظلمت سمجھتی ہے اور بعد میں کفِ افسوس ملتی ہے۔

فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَّا يُبْصِرُونَ۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ⁂ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ ۔۔ کس قدر خائب وخاسر اور کس قدر حرمان نصیب ہے، تشنہ کاموں کی وہ جماعت جو موجِ دریا کو سراب سمجھتی ہے اور جب سیلاب ختم ہو جاتا ہے تو ہر سراب کو موجِ دریا سمجھ کر اس کی طرف دوڑتی ہے۔ ولقد جاءکم یوسف من قبل بالبینات فما زلتم فی شک مما جاءکم بہ حتیٰ اذا هلک قلتم لن یبعث اللّٰہ من بعدہ رسولا (سورۂ مومن) تمہارے سامنے یوسف علیہ السلام اس سے پیشتر روشن دلائل لا چکے ہیں مگر اس وقت تم شک ہی کرتے رہے اور جب یوسف علیہ السلام کی وفات ہوگئی تو یہ فیصلہ کر بیٹھے کہ اللہ تعالےٰ اب کبھی بھی کوئی رسول نہ بھیجے گا۔ جب انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یہ طرزِ عمل رہا تو دُنیا کا کون سا اصُول جانشینانِ انبیاء علیہم السلام کو اس سے مستثنیٰ کر سکتا ہے۔ آج جو لوگ بہرحال سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے سینہ کوبی کرتے ہیں کیا یہی لوگ نہ تھے جنہوں نے حسین اور آلِ حسین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تواضع خنجرِ آبدار سے کی تھی۔ وہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ جس کی امامت اور جس کے تفقہ اور اجتہاد پر آج دو تہائی دُنیائے اسلام متفق ہے اپنے زمانہ میں صرف یہ قید وبند کی اذیتوں سے محفوظ نہ رہا بلکہ دسے اور کوڑے بھی روزانہ اس کے جسمِ مُبارک کو بوسے دیتے رہے۔ فنِ حدیث کا جلیل القدر امام فتنۂ خلق قرآن کا

یکتا ہادی اور مصلح مجدد ملت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نہ صرف یہ کہ اس کے مبارک قدموں کو زنجیروں اور بیڑیوں سے آشنا کیا گیا بلکہ بھاری بھاری بیڑیاں پاؤں میں ڈال کر جابرانہ حکم صادر ہوتا تھا کہ اونٹ پر سوار ہوں۔ اس قاہرانہ حکم کی جبری اور قہری تعمیل میں بارہا ایسا ہوا کہ سوار ہوتے ہوتے اونٹ پر سے گر پڑتے ہیں اور جسم نحیف خون سے تر ہو گیا ہے۔ تاریخ کے صفحات میں جس نام کے ساتھ شیخ الاسلام مجدد ملت قطب العالم جیسے جلیل الشان خطابات دیکھو گے۔ اگر تحقیق و تفتیش کی جائے تو ان کی زندگیاں ابناء زمانہ کی ستم آفرینیوں کا مرقع نظر آئیں گی۔ ایسا کیوں ہوتا ہے، قرآن حکیم الفاظ ذیل میں اس کے فلسفہ اس کی رلم کی طرف اشارہ فرماتا ہے، الم احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا وھم لایفتنون ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین' (س عنکبوت) کیا لوگوں نے سمجھ لیا ہے کہ وہ اس پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ یہ کہہ دیں کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا حالاں کہ ہم ان سے پہلوں کو آزما چکے ہیں۔ اس امتحان و آزمائش سے ان کی حقیقت بھی روشن ہو جائے گی جو اپنے دعوے میں سچے ہیں، اور ان کی حقیقت بھی واضح ہو جائے گی جو اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں۔ جب ابناء دنیا کی طرف سے اس توہین و تعذیب کی علت ابتلاء امتحان ہے تو یہ بھی واضح ہو گیا ہے کہ جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل بھی ہے، چنانچہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل ترمذی شریف وغیرہ۔ سب سے زیادہ سخت آزمائش انبیا علیہم السلام کی ہوتی ہے، پھر درجہ بدرجہ جو افضل ہوں۔ ایک شخص خلوص، صداقت اور پوری جگر سوزی کے ساتھ آپ کی حمایت کرے اور آپ اس کو خود غرض، غدار، مردود، ملعون کہیں اور پھر اس کا خلوص اور اس کی سچی ہمدردی اس کو آپ کی حمایت پر مجبور کرے اور آپ اپنے رویہ میں کوئی تبدیلی نہ کریں۔ ایک طرف سے متواتر جگر سوزی اور دوسری جانب سے پیہم انکار اور توہین اور تذلیل درحقیقت بہت سخت امتحان اور آزمائش ہے اور جسقدر خلوص وصداقت جذبۂ ہمدردی اور غم خواری میں اضافہ ہوگا اتنا ہی ابتلا اور امتحان بھی سخت ہوتا رہے گا۔ نوع انسان کے سب سے بڑے مخلص اور ہمدرد کا بھی سوز و گداز تھا کہ حضرت حق جل مجدہٗ نے ارشاد فرمایا فلعلک باخع نفسک ان لایکونوا مومنین۔ آپ تو شاید اپنے آپ کو مار ڈالیں گے اس غم میں کہ وہ مسلمان کیوں نہیں ہوتے۔ آخر عوام کو کیا ہو جاتا ہے کہ وہ خود غرضوں کے غلط پروپیگنڈے کا شکار ہو جاتے ہیں نفسیاتی طور پر اس کا سبب فطرت انسانی کا وہ اصل ہے جس کی طرف عربی کا یہ مشہور مقولہ اشارہ کرتا ہے المرء یقیس علی نفسہ انسان اپنے اوپر دوسروں کو بھی قیاس کیا کرتا ہے خود غرض خواص اور اغراض پرست عوام میں چونکہ خود اخلاقی کمزوریاں

بہت کافی ہوتی ہیں۔ لہٰذا وہ پاکباز اور مقدس نفوس کو بھی اپنے اُوپر قیاس کرتے ہیں اور ہر اس پراپیگنڈے کو باور کر لیتے ہیں جو ان کے قیاس کی تائید و موافقت کرتا ہو، وہ طبقہ جو رشوت، جھوٹی شہادت، جھوٹے مقدمے بازی، بلیک مارکیٹ اور خیانت کا عادی ہو، اور معمولی سے معمولی کام بھی اپنی غرض کے بغیر نہ کرتا ہو، وہ کب باور کر سکتا ہے کہ کوئی پاکباز محض خلوص اور صداقت کی بنا پر ہر ایک مصیبت کے لئے تیار ہو جائے گا اور اس جفاکشی کے عوض میں کسی انسان سے کسی معاوضہ کی خواہش تو درکنار اس کا تصور بھی اس کے دماغ کو پریشان کر دے گا۔ درحقیقت یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے اور اسی لئے اس کی ممانعت کی گئی ہے۔ کار پاکان را قیاس از خود مگیر، گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

معیار ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ۔سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف

پروپیگنڈے میں جب پُوری طاقت صرف کی جا رہی تھی تو کلام اللہ کے الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معیار پیش فرمایا تھا لَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا ...... الخ ساری عمر تمہارے بیچ میں رہا ہوں کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ساری عمر کی سیرت کو پیش کرتے ہوئے ان منکرین اور مخالفین کو دعوتِ فکر دیتے ہیں کہ ساری عمر تم آزما چکے ہو، برت چکے ہو، ہر موقع پر خدا ترس، صادق اور امین پا چکے ہو کیا وہ دعوت اسلام کے بارے میں جھوٹا ہو گا۔ درحقیقت مدح وستائش یا خدمت کا معیار عادات و اطوار خصائل و اخلاق، اپنوں اور پرایوں کے ساتھ اس کے تعلقات ایثار و خلوص اور ملکی و ملی خدمات ہیں۔ بلاوجہ لعنت و مذمت کو تو اسلام کسی وقت بھی پسند نہیں کرتا، لعنت گو نہیں ہے، لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَّانًا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم البتہ بوقتِ ضرورت اس کی مذمت کی جا سکتی ہے جو مذکورہ بالا معیار کے بموجب مستحقِ مذمت ہو، لیکن اس معیار کو نظر انداز کر کے محض سُنی سُنائی باتوں کی بنیاد پر لعن وطعن یا توہین و تذلیل ایک ایسا جرم ہے جس کو قرآنِ حکیم اثم مبین قرار دیتا ہے والذین یؤذون المومنین والمومنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بهتانا و اثما مبینا (احزاب) جو لوگ ایماندار مردوں اور عورتوں کو کسی ایسی بات کا الزام لگا کر جس کے وہ مرتکب نہیں ہوئے ایذا دیتے ہیں وہ بہتان اور اثم مبین کا بار گردن پر لے رہے ہیں۔ ہم نے آج سے تقریباً آٹھ سال پیشتر شاندار ماضی کے حصہ پنجم میں حضرت موصوف مدظلہ العالی کے حالات قلمبند کرتے ہوئے کچھ الفاظ بطور تمہید لکھے تھے، حسنِ اتفاق سے اس عرصہ میں احقر کو حضرت مدظلہ العالی سے قرب کا تعلق رہا اور بہت نزدیک سے حضرت کے تمام حالات کے مطالعہ کا موقع ملا۔ اس عرصہ میں جیل کی زندگی میں رفاقت کا موقع بھی ملا جہاں ۲۴ گھنٹہ کی معیت اخلاق کی تمام نمائشوں کو ختم کر دیتی ہے

ظاہری زیبائش کا ہر ایک غازہ انسانی عادات کے چہرہ سے صاف ہو جاتا ہے اور اس کی نکھری ہوئی پوست کندہ زندگی سامنے آجاتی ہے، اس کے بعد تقریباً تین سال سے حضرت موصوف کی زیر صدارت احقر مرکزیہ جمعیۃ العلماء ہند کی نظامت کے فرائض انجام دے رہا ہے، یہ تعلّق ملکی اور ملّی جذبات کے سلسلہ میں صدر کے مخلصانہ با غرض پرستانہ جذبات و احساسات کی مکمل طور پر غمّاضی کر سکتا ہے اور ہر اُس حرص و طمع یا ایثار و خلوص کی نقاب کشائی کر سکتا ہے جو نہانخانۂ دِل میں رُوپوش ہو، لیکن خدا کا شکر ہے کہ آٹھ سالہ تجربات نے تمہیدی عبارت کے کسی ایک حرف کی تبدیلی کا واہمہ بھی پیدا نہیں کیا، البتہ اس اعتراف میں اضافہ ہو رہا ہے کہ یہ الفاظ حضرت موصوف کے شایانِ شان تعارف سے قاصر ہیں، تمہیدی الفاظ یہ ہیں

"تعارف شیخ الاسلام"

سیاسیاتِ ہندی کا نشاں ہے ذات سے تیری
یہ کشتی اس بحیرہ میں رواں ہے ذات سے تیری

اسیرِ مالٹا کی جانشینی تجھ کو حاصل ہے
سحاب حریّت گوہر فشاں ہے ذات سے تیری

غلاموں کو سکھایا تو نے آئینِ جہاں بانی

،کیا ہے فخر الدین رازی کی نکتہ سنجی، بو علی سینا اور فارابی کی منطق، ابن حزم اور ابن رشد کی حکمت، صرف ایک نتیجہ ہے ذکی الطبع افراد کی پُر عافیت کتب بینی کا، کیا ہے ترک دُنیا اور متقشفانہ تصوّف ایک خوشگوار جذبہ ہے دُنیاوی جھگڑوں سے فارغ البالی کا بہت آسان ہے سالہا سال اعتکاف کے مکاشفات اور مراقبات کی لُطف اندوزی، بہت سہل ہے برسہا برس مطالعہ کتب کر کے تبحر علمی کے نکات کی فراہمی بہت سہل ہے کسی خانقاہ کی کنج عزلت، بہت سہل ہے یا کسی دار العلوم کی مسندِ تدریس تم پوچھو مشکل کیا ہے؟ مَیں بتاؤں گا بہت مشکل ہے، رجوع الی اللہ زہد تقوی کے ساتھ خدمتِ خلق اور نوعِ انسانی کی ہمدردی یعنی وہ سوز و گداز وہ تڑپ وہ بے چینی جو کبھی مسجد میں لے جائے کبھی حلقہ درس میں کبھی منبر پر وعظ و تلقین کے لئے کھڑا کرے کبھی سیاسی پلیٹ فارم پر ترقی ملت اور اعلی کلمۃ الحق کے لئے پھر کبھی اپنوں کی گالیاں سنوائے اور کبھی پا بزنجیر جیل خانوں کی سلاخوں میں بند کرائے، دن کے وقت خدمتِ خلق میں مصروف اور پریشان رکھے تو رات کی تاریکی میں محبوبِ حقیقی کے سامنے راہب شب بیدار بنا کر کھڑا کر دے بلاشبہ بہت مشکل ہے۔ ہمدردی خلق اور غم خواری مسلم کی وہ خلش جو رات کی میٹھی نیند حرام کر دے مجلسِ احباب کو مجلسِ سوز و گداز بنا دے، اُفق پر صبح صادق کی کرن چمکے تو وہ توبہ و استغفار میں مشغول ہو آفتاب کی پہلی کرنیں اس کو تسبیح و تہلیل میں مشغول دیکھیں، پھر اس کے تبلیغی تعلیمی، مذہبی اور سیاسی مشاغل کو دیکھتے حیرت و استعجاب کے مغرب میں روپوش ہو جائیں، عالم پر تاریکی کی سیاہ چادر تانی جائے، تھکے ماندے انسان اپنی آرام گاہوں کی

طرف دَوڑیں، اہل وعیال کی پُر لطف چہل پہل سے دِن بھر کی کوفت دُور کریں، لیکن یہ مبتلائے سوز خلق اب بھی یا دُور دراز سفر طے کر رہا ہو یا عالی اور عمیق مضامین کے حل کرنے میں دماغ سوزی کر رہا ہو یا مخلوق خدا کی تلقین میں مشغول ہو یا اپنے پروردگار کے سامنے سر بسجود گریہ وبکا و عجز و نیاز مناجات و تلاوت، طویل قیام طویل رکوع و سجود سے زاہدان خشک کے خلوت خانوں کو شرما رہا ہو۔ بیشک یہی ہے مشکل ترین سنّت، یہی ہے انبیاء علیہم السلام کی سچی وراثت یہی ہے مضمون حدیث کے بموجب انبیاء سابقین علیہم السلام سے مشابہت، یہی شخص ہے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب[1] اسوۂ صحابہ کا سچا پیرو یہی ہے مصلح خلق، یہی ہے شیخ وقت، یہی ہے مرشدِ صادق یہی ہے قطب عالم، اس کی زندگی درسِ عبرت ہے قابلِ اتباع، بلکہ واجب الاتباع ہے۔ اچھا بتاؤ دورِ حاضر میں کون ہے اس مقدس زندگی کا مالک اور اس مبارک سُنّت کا حامل وماہر، وہی شیخِ وقت قطبِ عالم، مرشدِ خلائق، جس کا نام نامی اس تمہید کا مبارک عنوان ہے، یعنی سیدنا و مرشدنا شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت علامہ مولانا سید حسین احمد صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند مدظلہٗ العالی و دامت برکاتہٗ

"دارالعلوم دیوبند" اپنی قسمت پر جس قدر ناز کرے کم ہے کہ ہر زمانہ میں اس کی صدارت کے لئے قدرت کے ہاتھوں نے مخلوق کا بہترین فرد منتخب فرمایا۔ آج بھی مجدد وقت دارالعلوم دیوبند کا شیخ الحدیث ہے ؎

گرمیٔ ہنگامہ تیری آج حسین احمد سے ہے

جس سے ہے پرچم روایاتِ سلف کا سربلند

اس تمہید کے بعد اصل مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ وباللہ التوفیق (باقی پھر)

---

[1] شمائل ترمذی میں ارشاد ہے افضلھم عندہ اعمّھم نصیحۃً و اعظمھم عندہ منزلۃً احسنھم مواساۃً و موازرۃً — — — — — — — — شمائل ترمذی شریف ص۲۴، یعنی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر قدسی اثر میں وہ صحابی افضل ہوتے تھے جن کے خیرخواہی مخلوق کیلئے زیادہ عام ہو اور بارگاہ رسالتؐ میں اس کا مرتبہ سب سے بڑھا ہوا ہوتا تھا جس کی جفاکشی اور تحمل و برداشت خدمت خلق اور ہمدردی نوع انسانی کے بارے میں سب سے بہتر ہو، حدیث حسن بن علی رضی اللہ عنہما صفحہ ۲۴ شمائل ترمذی ۱۲، نیز سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین کا ارشاد ہے انّ المسلم اذا کان یخالط الناس ویصبر علیٰ اذاھم خیرٌ من المسلم الذین لایخالط الناس ولایصبر علیٰ اذاھم ترمذی شریف ج ۲ ص ۷۲، یعنی وہ مسلمان جو لوگوں سے ملتا رہتا ہے اور ان کی اذیت پر صبر کرتا ہے اس مسلمان سے بہتر ہے جو نہ کسی سے ملتا ہے نہ کسی کی اذیت برداشت کرتا ہے۔

طالب چاندپوری

نعتِ رسولؐ

وہ نازشِ کونین، وہ اللہ کا پیارا
وہ امتِ عاصی کے سفینے کا سہارا

وہ جس نے زمانے کو دیا درسِ اخوت
وہ جس نے بہم جذبۂ اُلفت کو اُبھارا

وہ پیکرِ تسلیم و رضا، صابر و شاکر
وہ جس نے کیا نانِ جویں کھا کے گزارا

وہ عرشِ معظم پہ جو پہنچا شبِ اسراء
وہ جس نے کیا قدرتِ خالق کا نظارا

وہ غمزدہ و بیکس و لاچار کا حامی
وہ جانِ سکوں راحتِ دل آنکھ کا تارا

وہ زیرِ قدم جس کے زمانے کے خزانے
وہ جس نے کیا عشرتِ دُنیا سے کنارا

وہ جس نے بصد شوق مصیبت کو اٹھا کر
تہذیب کی اُلجھی ہوئی زلفوں کو سنوارا

وہ جس کے لبوں پر تھیں جفاؤں پہ دُعائیں
وہ جس نے عدو کو بھی محبت سے پکارا

طالبؔ ہے مجھے فخر کہ وہ فخرِ دو عالمؐ
محبوبِ خدا، رہبرِ اعظم ہے ہمارا

حضرت مولانا نانوتوی رح کی شاعری

حضرت مولانا نانوتوی قدس سرہٗ کے تبحرِ علمی، زہد و تقویٰ اور مجاہدانہ کارناموں سے ایک دنیا متعارف ہے۔ لیکن بہت کم لوگوں کو یہ علم ہے کہ آپ ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ اور فارسی، اردو اور عربی، تینوں زبانوں میں آپ نے اشعار کہے ہیں۔

آپ کی شاعری پر مولانا نسیم احمد فریدی کا لکھا ہوا یہ دلچسپ مضمون آج سے بہت عرصہ پہلے ماہنامہ "دارالعلوم" دیوبند میں شائع ہوا تھا۔ امید ہے قارئین کرام اسے پسند فرمائیں گے۔

دنیائے علم واقف ہے کہ حضرت مولانا نانوتوی رحمہ اللہ مفسر محدث متکلم صوفی اور زبردست مناظر تھے۔ ان کی تقریر و تحریر کے بہت سے نمونے علمی حلقوں سے خراجِ تحسین وصول کر رہے ہیں۔ ان کی محققانہ کاوشیں رہتی دنیا تک ان کا نام قائم رکھیں گی۔ ان کی تلامذہ اقصائے عالم میں آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ اسلام کی حمایت میں ان کے مناظرے ملتِ بیضا کی تقویت کا باعث ہوئے۔ ان کے ذریعہ حضرت شاہ ولی اللہ رح کی حکمت و معرفت دارالعلوم دیوبند کے بام و در پر جلوہ گر ہوئی۔ اور آج بھی جلوہ گر ہے۔ یہ تمام خصوصیات اظہر من الشمس ہیں۔ لیکن مولانا کا ایک باکمال اور قادر الکلام شاعر ہونا قریب قریب نظروں سے اوجھل ہے۔ گو شعر و شاعری ان امتیازات کے ہوتے ہوئے مولانا کے لیے کچھ زیادہ موجبِ عزت نہ ہو۔ لیکن پھر بھی ایک فن ہے اور بہت سے بزرگوں نے اس فن میں اپنی جولانیٔ طبع کی کرشمہ سازیاں دکھلائی ہیں۔ مولانا کے کلام کا ایک مختصر مجموعہ قصائدِ قاسمی کے نام سے چھپ چکا ہے جس میں ایک نعتیہ قصیدہ شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ پھر بھی ذوقِ شعر کا پتہ چلانے کے لیے یہ مجموعہ کافی نہیں ہے۔

ایک طرف حضرت نانوتویؒ نے اردو نثر کو علمی و فنی اصطلاحات کے خزانے عطا فرمائے اس کو معارف لدنیہ کا حامل بنایا۔ قبلہ نما بطور تحفہ پیش کیا آب حیات کے جرعہ ہائے حیات بخش پلائے اس زبان میں اونچے اور مشکل مضامین کے علاوہ اپنی سادہ کلامی کے عمدہ نمونے پیش کئے۔ دوسری طرف اردو نظم کے دامن کو اعلیٰ تخیل اور بلند جذبات سے زینت بخشی اگر مولانا نانوتویؒ کا پورا مجموعہ کلام دستیاب ہو جاتا تو میں اپنے اس دعویٰ میں کامیاب ہو جاتا کہ وہ اپنے زمانے کے دہلی کے بڑے بڑے شعراء سے قادر الکلامی میں کسی طرح کم نہیں ہیں آخر وہ مولانا مملوک علی صاحب نانوتویؒ جیسے ادیب وقت کے شاگرد رشید تھے۔ جنہوں نے دیگر علوم کے علاوہ علم ادب بھی شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کے ایک ذہین شاگرد مولانا رشید الدین دہلویؒ سے حاصل کیا تھا۔ مولانا مملوک علیؒ دہلی کے بعض ان مشاعروں میں شریک ہوتے ہیں، جو بادشاہ دہلی کی سرپرستی میں دہلی میں منعقد ہوتے رہتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی اطیب النغم اور حضرت شاہ عبد العزیزؒ کے عربی اشعار سے ان کے ذوق ادب کی فراوانی کا پتہ چلتا ہے شاہ عبد العزیز دہلویؒ نے مولانا فضل حق خیر آبادی کے عربی اشعار پر اصلاح دی ہے اسی کا اثر ہے کہ ثورۃ الہندیہ کی نظم و نثر عربی انتہائی مؤثر ہے اور اہل فہم کو خون کے آنسو رلاتی ہے۔ خاندان ولی الٰہی کے فیض یافتہ ہونے اور خدا داد صلاحیت کے باعث حضرت مولانا نانوتوی کا کلام عربی بھی نہایت پُر تاثیر اور پُر کیف ہے ۵۷ء سے کچھ عرصہ بعد تک فارسی علمی حلقوں میں کافی رائج تھی۔ شعر و سخن میں اس زبان کے جوہر دکھائے جاتے تھے۔ اسی لیے حضرت مولانا نے نثر کے علاوہ نظم کو بھی قند پارس سے لذت یاب فرمایا ہے۔ رہی اردو وہ ان کے زمانے میں ارتقائی منازل طے کر رہی تھی۔ ملک کی عام فہم زبان تھی دہلی جو اردو زبان کا عظیم الشان مرکز ہے مولانا تعلیم کے زمانے میں وہاں برسوں رہے ہیں پھر وہ کس طرح اس زبان کو اپنی شیریں کلامی سے فیض یابی کا موقع نہ دیتے حضرت مولانا نانوتویؒ کے ایک شاگرد (جو بعد کو حضرت امروہیؒ کے یہاں مدرسہ شاہی مراد آباد میں فارغ التحصیل ہوئے حضرت مولانا حافظ عبد الرحمن صاحب صدیقی مفسر امروہیؒ سے بھی حضرت قاسم العلومؒ کے ذوق شعر ادب کا پتہ چلتا رہتا تھا۔ حضرت حافظ صاحبؒ جو کہ اکابر دیوبند خصوصاً مولانا نانوتویؒ کے آخری چند سال کی ایک جیتی جاگتی تاریخ تھے فرماتے تھے۔ کہ مولانا نانوتویؒ نے دیوان اللہ دیئے کے فرمائش پر ایک مثنوی لکھی تھی جو پانچسو اشعار پر مشتمل تھی۔ اس کا ایک شعر یہ ہے

ضعف سے ہو گیا دم رفتار　　تن کو سائے کا تھا منا دشوار

اس کے قریب ہی زمانے میں مولانا گنگوہیؒ نے ہدایۃ الشیعہ تصنیف فرمائی اس کو ملاحظہ کر کے فرمایا کہ مولانا گنگوہیؒ دین کا یہ کام کر رہے ہیں اور میں نے مثنوی لکھی ہے فوراً وہ مثنوی منگوائی اور جلادی ایک مرتبہ حافظ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت مولانا نانوتویؒ کے ساتھ مظفر نگر گیا تھا جیل خانے کے قریب ایک مکان میں مولانا فروکش تھے ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ میں دوپہر کو سو رہا تھا۔ آنکھ کھلی تو دیکھا کہ مولانا کے کاغذات رکھے ہیں اور خود کسی ضرورت سے کہیں گئے ہیں۔ میں نے کاغذات کو دیکھا تو دو غزلیں تھیں جو مختلف ردیف و قافیے کی تھیں۔ ایک مرتبہ حافظ صاحبؒ نے مولانا نانوتویؒ کے چند اشعار سنائے جو ان پیش کردہ غزلوں میں موجود ہیں۔ علاوہ ازیں مولانا کی ایک غزل کا جو ذوق کی غزل پر لکھی تھی ایک شعر سنایا ذوق کی غزل کا مطلع یہ ہے۔

بلبل ہوں صحن باغ سے دور اور شکستہ پر　　پروانہ ہوں چراغ سے دور اور شکستہ پر (ذوق دہلوی)

اس زمین میں حضرت مولانا نانوتویؒ کا صرف ایک شعر جو حضرت حافظ صاحبؒ کو یاد رہ گیا تھا یہ ہے

میں کیا کروں کہ پر ترے ناوک کا جل گیا　　رکھتا تھا اس کو داغ سے دور اور شکستہ پر (مولانا نانوتوی)

اب میں حضرت والا کا غیر مطبوعہ کلام پیش کرتا ہوں اس کی دو نقلیں کتب خانہ پھلاودہ میں ہیں تیسری نقل میرے پاس ہے مجھے مولوی سید عبد المغنی سلمہ سے معلوم ہوا کہ مولانا کے کلام کی ایک ضخیم بیاض ان کے پاس اور تھی۔ جس کو انہوں نے ایک صاحب کو عاریۃً دے دیا ہے اگر وہ بیاض بھی میرے سامنے ہوتی تو میں اس سے زیادہ کلام پیش کرنے کی سعادت حاصل کر سکتا۔ اس موجودہ مختصر مجموعہ میں چھ غزلیں اردو کی دو فارسی کی اور آٹھ عربی کی نظمیں ہیں۔ اس میں سے اردو کی چند غزلیں اور عربی کلام کا اقتباس پیش کروں گا۔ عربی کے اشعار کافی تعداد میں موجود ہونے کے باوجود کم پیش کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ناقلین و کاتبین سے کتابت میں بہت اغلاط واقع ہو گئے ہیں۔ وہ اغلاط کافی غور و خوض کے بعد رفع ہو سکتے ہیں۔ پھر عربی اشعار کا سلیس اردو ترجمہ بھی متوسط طبقہ کے لیے ضروری تھا۔ بنابریں تمام حاصل کردہ کلام پیش نہیں کیا گیا

کلام اُردُو

جب کہ تری صورت رو برو ہم　　کیا کرتے ہیں پھروں گفتگو ہم

کیا کرتے ہیں کہنا، نامہ بر یاد رخ گلفام و زلف مشک بو ہم
اگر یوں ہی کٹی یہ زندگانی تو لے جائیں گے کیا کیا آرزو ہم
نگاہِ لطف کے ہیں زخم دل میں کریں اے چارہ گر کیوں کر رفو ہم
پڑا رہنے دے اے شوقِ دل آرام ابھی بیٹھے ہیں پھر کر چار سو ہم
بس اتنا تنگ مت کر وحشتِ دل لیے بیٹھے ہیں اپنی آبرو ہم
لبِ شیریں سے خود کامی تو معلوم پئیں گے ہمدم اب اپنا لہو ہم
نہ جاناں ہے نہ جاں ہے اور نہ دل ہے کریں کس کس کی یارب جستجو ہم
نہیں ساقی تو ہمدم پھوڑ دیں گے کسی پتھر پہ ساغر اور سبو ہم
پئے تشہیر مشتِ خاکِ قاسم اڑائیں گے کہیں بھی - کو بکو ہم

(۲)

اگر مشقِ ستم کو واں نشانہ چاہیئے کوئی تو مر جانے کو ہم کو بھی نشانہ چاہیئے کوئی
کسی کا حال کچھ ہو اور کسی پر کچھ گذر جائے مگر زلفوں کے سلجھانے کو شانہ چاہیئے کوئی
ہمارا غم غلط ہو یا نہ ہو ہمدم سے پر تم کو تغافل کے لیے ہم سے بہانہ چاہیئے کوئی
یہ مانا قاسم آزاد وحشی ہے مگر سینے وحوش دشت و صحرا کو بھی خانہ چاہیئے کوئی

(۳)

یوں حسن میں ہیں اور بھی کم اور زیادہ پر آپ میں ہے طرزِ ستم اور زیادہ
جوں سایہ نمود اپنی تمہیں سے ہے وگرنہ کچھ ہم میں نہیں غیر عدم اور زیادہ
وہ پیار کی باتوں میں خفا ہو گیا یارب تھی ہم کو تو امیدِ کرم اور زیادہ
ہے عمر رواں راہ عدم جتنے بڑھے ہم اتنے ہی بڑھے سوئے عدم اور زیادہ
اے چارہ گر عشق نہ کر وصل کی تدبیر کھو دیں گے مجھے لطفِ صنم اور زیادہ
کچھ ناز کا دعویٰ ہے اگر اپنا سمجھ کر تو ہاں تمہیں اپنی ہی قسم اور زیادہ

کیا کرکے رہے دیکھئے قاسم یہ محبت
زندہ رہے ہم گر کوئی دم اور زیادہ

(۴)

عاشقوں سے وہ صنم کیا شاد ہو
گر کسی کو شکوۂ بیداد ہو

قتل عاشق ایک پرانی بات ہے
ہاں ستم گر کچھ نئی ایجاد ہو

آرزوئیں ہوگئیں سینے میں خاک
دل لگا کر خاک کوئی شاد ہو

اپنی مشتِ خاک اور یہ آرزو
کوچۂ دلدار میں برباد ہو

بھول کر دیکھیں کہو تو ہم ۔ اگر
بھول جانا انتقام یاد ہو

بے نیازی کا مزہ جانے وہی
جس کے سینے میں دل ناشاد ہو

قاسمؔ دیوانہ میں دیکھی یہ بات
کشتۂ غم ہو کے غم میں شاد ہو

(۵)

رقیب مہر کے قابل عدو وفا کے لیے
بنے تھے ہم ہی فقط آپ کی جفا کے لیے

کھڑے کھڑے گہ و بیگاہ کا ترا آنا !
بلائے تازہ ہے اک جان مبتلا کے لیے

تفقد اُس کا تمہیں اپنے آپ لازم ہے
زبان ہل نہ سکے جس کی التجا کے لیے

ہمیں تو صبر کو کہتے ہیں شیخ و واعظ سب
انہیں تو کوئی بھی کہتا نہیں وفا کے لیے

وہ بات کیا ہے کہ مرکر بھی قاتل بے رحم
قتیل ترے تڑپتے رہے جفا کے لیے

جفا بجائے وفا اور ستم بجائے کرم
ہُوا کہیں بھی کسی کے یہ آشنا کے لیے

جفائیں کیجئے ۔ پر تم کو زیب دیتا ہے
جفا بھی ہووے تو قاسمؔ سے باوفا کے لیے

کلام فارسی

ساقیا سیرم زمے خاکِ درمے خانہ ام
از لبِ شیریں بدہ لذت بیک پیمانہ ام

جان یا جاناں بگو خوانم ترا یا جانِ جاں
اصطلاح شوق بسیار است و من دیوانہ ام

از منِ خستہ چہ می پرسی کہ قاسمؔ کیستی
گر گلی من بلبلم در شمع من پروانہ ام !

(۲)

از جنوں دست در گریبانست   خارِ صحرا بشوق دامانست
گردشِ بخت و دورۂ گردوں   فتنۂ کاکلِ پریشانست
سینۂ چاک چاک و خندۂ ناز   دلِ بیتاب و نوک مژگانست
دل بیتاب، من مبارک باد   کہ بکارِ تو چشم فتّانست
جاں بلب آمد و اجل بر سر   واں مسیحا بکار وگرانست
نیم جاں کرد و رفت باز ندید   باز زاں شوخ چشم درمانست
ہم نفس! در عدم چہ دولت بود   کشتۂ ناز باز شادانست
گر رمیدی زخستہ ات چہ عجب   بوئے گل ہم زگل گریزانست
شکوۂ رفتنش چرا اے دل!   رفتن از تن چو کارِ ہر جانست
مرضِ عشق و یار دور و دراز   نہ مسیحا نہ آبِ حیوانست
کشتۂ ناز را شکایت نیست   آں پریوش چرا پشیمانست
قاسم از کوچہ اش چہ کار ترا   مسکنِ وحشیاں بیابانست

کلامِ عربی

من لم یسخر بالبکاء حبیبہ   للالتفات فقد اضاع نحیبہ
یا نفس مالکِ تجزعین تجملی   ذا کان منہ نصیبنا ونصیبہ
دع عنک ویلک ذکرہ وحدیثہ   واترک رجاک بعیدہ وقریبہ
فرجاک مقطوع وشوقک ضائع   والصبران صابرت لیس مصیبہ
ان جاء جاء مجھزًا لذہابہ   کالبدر یطلع یستمیل مغیبہ
بابی وامّی لا تزورلنا فہل   ابقیت شیئًا تشتہی تخریبہ
فالموت من شوق الوصال اخف من   عیش بآلام الفراق عقیبہ

مولانا ظہیر احمد مفتاحی

احترامِ اقارب اور اسلامی تعلیمات

آج دنیا اِس حقیقت کا اعتراف کرتی جارہی ہے کہ اسلام ہی دنیا کا وہ سچّا اور اچھا مذہب ہے جس کی تعلیمات انسان کو صحیح معنوں میں مکمّل انسان بناتی ہیں اور جس نے اصلاحِ نفس، ترقی وتمدّن، تہذیب اخلاق اور درستیٔ معاشرتِ عامہ کے وہ اصول بیان کیے ہیں جن پر علمی وعملی قوتوں کی شائستگی مبنی ہے۔ جن کو بجا طور پر نجاتِ انسانی اور امنِ عالم کا علمبردار کہنا مناسب ہے۔ اسلامی تعلیمات سے غصہ، کینہ، بُغض، حسد، عداوت، انتقام، خود غرضی اور نفس پرستی وغیرہ کے جذبات کا گلا گھونٹتی ہیں۔ مساوات وہمدردی، عدل وانصاف، خدا کی وبندگی اور حق وصداقت کی حمایت کے جذبات ابھارتی ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ۔ اس آیت میں عدل وانصاف، احسان وحسن وسلوک اور اقرباء کی امداد واعانت کا حکم ہے اور فحاشی اور بے حیائی، ناپسندیدہ روش اور ظلم وزیادتی کرنے سے صاف اور صریح الفاظ میں ممانعت فرمائی گئی ہے۔

غور کیجئے۔ انسانی زندگی کا کتنا مکمل ضابطہ اور لائحہ عمل ہے۔ اگر انسان صرف اسی ایک جملہ کے مطابق اپنی زندگی کا پروگرام بنا کر عمل پیرا ہو جائے تو وہ اپنی زندگی رضائے الٰہی کے مطابق امن وعافیّت کے ساتھ کامیاب وخوشگوار گزار سکتا ہے۔ انسانیت کے معیار کو سمجھنے کے لیے انسانی تعلقات اور اس کی ذمہ واریوں کو اوّل سمجھنا ضروری ہے۔ ان تعلقات میں انسان کا پہلا اور مقدم تعلق عبودیت کا اپنے خالق کے ساتھ ہے۔ دوسرا معاشرتی تعلق بنی نوع کے ساتھ ہے۔ انسانیت کی تکمیل انہی دونوں تعلقات کے صحیح ہونے پر منحصر ہے۔

یوں تو اسلام نے اپنے اعزاء اور ہر شخص کے ساتھ جس سے ہر انسان کا واسطہ اور سابقہ پڑتا ہے حقوق قائم کر دیے ہیں اور درجہ بدرجہ ہر ایک سے حسن سلوک سے پیش آنے کی شدّومد کے ساتھ تاکید فرمائی ہے، مگر معاشرتی تعلقات میں سب سے مقدم اور اہم حق والدین کا ہے۔ پھر شوہر وبیوی کا باہمی تعلق ہے۔ ابن واب اور زوجین کی باہمی چپقلش ونفرت سارے نظامِ معاشرت کو تباہ کر کے رکھ دیتی ہے۔ اسلام نے ان رشتوں کے قیام واستحکام

کے لیے ایک دوسرے کے مراتب و تعلقات کی اہمیت کو اس طرح اجاگر کیا ہے اور ایسے اصول مقرر فرمائے ہیں کہ جن کو سمجھ کر اور ان پر عمل پیرا ہو کر انسان اپنے اندر صحیح انسانیت اور اعلیٰ کیریکٹر پیدا کر سکتا ہے۔ جس پر حیات قومی کا دار و مدار ہے۔ اِس مختصر مضمون میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں انسانی تعلق کے دوسرے جز و یعنی ابن واب اور میاں بیوی کے احترام تعلقات کی اہمیت کو وضح کیا گیا ہے۔

احترامِ والدین

یہ امر مسلّمہ ہے کہ والدین اپنی اولاد سے بے حد محبت کرتے ہیں۔ ان کی تعلیم و تربیت پر داخت و پرورش اور نگہداشت و خواہشات پر اپنا سرمایہ، عزیز وقت، دولت آرام سب کچھ قربان کرتے ہیں۔ مگر اولاد کی تکلیف، دکھ، رنج و پریشانی، حزن و غم کبھی بھی برداشت نہیں کرتے۔ اس بناء پر اسلام کی نگاہ میں والدین کا مرتبہ بہت ہی ارفع اور اعلیٰ ہے۔ قرآن کہتا ہے

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ، وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ،

ترجمہ: (تمہارے خدا کا فیصلہ ہے کہ صرف اس کی پرستش کرنی چاہیے اور اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ اگر تمہارے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو ان کی کسی بات پر اُف تک نہ کرو اور شریفانہ گفتگو اختیار کرو، اور ان کے ساتھ نرمی، شفقت اور ملائمت برتو۔ اور ان کے حق میں دعا کرو کہ اے پروردگار تو ان پر رحمت فرما۔ جیسا کہ انہوں نے مجھ کو بچپن میں پالا)

غور کیجئے کہ کتنی وضاحت کے ساتھ یہ حکم دیا جاتا ہے کہ والدین کی خدمت کا سب سے اہم وقت بڑھاپے کا زمانہ ہے۔ جب ان کے اعضا و جوارح بیکار ہو جاتے ہیں۔ جب انسان بالکل مجبور ہو جاتا ہے۔ جب ہر طرف سے مایوسی ہی نظر آتی ہے تو اس وقت کی خدمت اور اس وقت کی اطاعت اکثر اطاعتوں سے افضل اور اچھی ہے۔ ماں باپ کی اطاعت و فرمانبرداری کے لیے اس قدر تاکید کہ اس عالم میں انہیں اُف بھی نہ کہو۔ یعنی کوئی ایسی حرکت کبھی بھی تم سے سرزد نہ ہو جائے جو ان کے لیے تکلیف دہ ہو اور جس سے اِن کے نازک دلوں کو دکھ پہنچے، جس سے ان کو رنج و ملال ہو۔ ولخفض لھما کا ٹکڑا بھی کس قدر جامع ہے۔ یعنی ان کی اطاعت میں پوری طرح جُھک جاؤ۔ بغیر پس و پیش کے ان کی خدمت گزاری میں لگ جاؤ اور اس جھکنے میں تمہارے دلوں کی گہرائیوں سے محبت اور نرمی کے جذبات نمایاں رہیں۔ وقتی مصلحت یا وضعداری جیسی کوئی چیز نہ ہو۔ ان آیات قرآنی میں

کتنے معانی پوشیدہ ہیں۔ اسے اہل نظر ہی جانتے ہیں۔ ماں باپ کی خدمت عظمت و بڑائی، ان کی عزت وفضیلت ان کی اطاعت و فرمانبرداری ہر چیز پر ان آیات سے واضح طور پر روشنی پڑتی ہے۔ ان آیات کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ارشادات گرامی سن لیجیئے۔

۱۔ نماز کے بعد افضل ترین عمل والدین کے ساتھ عمدہ سلوک ہے۔

۲۔ والدین کی اطاعت و فرمانبرداری میں جہاد کا ثواب ہے۔ حضرت عبداللہ بن قیس رضؓ بیان کرتے ہیں۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک شخص نے جہاد کی اجازت طلب کی۔ فرمایا تیرے ماں باپ زندہ ہیں۔ اس نے عرض کیا۔ جی ہاں زندہ ہیں۔ فرمایا — انہی کی خدمت میں جہاد کا ثواب موجود ہے۔ (بخاری ومسلم)

۳۔ والدین کی اطاعت، خدا کی اطاعت ہے اور والدین کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے۔

۴۔ والدین کی نافرمانی اس صورت میں بھی جائز نہیں جب کہ وہ گھر سے نکل جانے کا حکم صادر فرمائیں۔

۵۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرمؐ کا ارشاد ہے۔ "گناہ کبیرہ میں سے سب سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور والدین کی معصیت ہے۔

۶۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ سے کسی نے عرض کیا۔ میں ہجرت کی بیعت کرنے آیا ہوں۔ جب میں چلا ہوں تو والدین کو روتا ہوا چھوڑ آیا تھا۔ فرمایا — فوراً واپس جاؤ اور دونوں کو جس طرح رلایا ہے۔ اسی طرح ہنساؤ۔ (ابوداؤد)

۷۔ حضرت ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالمؐ سے ایک شخص نے دریافت کیا۔ حضور! ماں باپ کا حق اولاد پر کیا ہے۔ فرمایا — وہ دونوں تیرے بہشت اور دوزخ ہیں۔ (ابن ماجہ)

۸۔ حضرت ابن عمر رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا — بڑے بڑے گناہوں میں سے ایک بڑا گناہ یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی دے۔ لوگوں نے عرض کیا — حضور! یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اپنے والدین کو گالی دے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ دوسرے کے ماں باپ کو گالی دینا ایسا ہی ہے، جیسے اپنے ماں باپ کو گالی دینا۔ کیونکہ جب دوسرے کے ماں باپ کو برا بھلا کہے گا تو وہ یقیناً اس کے بدلے میں تمہارے ماں باپ کو برا بھلا کہے گا۔ (مسلم وابوداؤد)

۹۔ والدین کی خدمت کا یہ بھی تتمہ ہے کہ ان کے ملنے والوں سے بہتر سلوک واحسان کیا جائے۔

حضرت مالک رضؓ بن ربیعہ فرماتے ہیں۔ رسول اکرم صلعم کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ماں باپ کے انتقال کے بعد بھی ان کی خدمت اولاد کے ذمہ ہے۔ ارشاد فرمایا۔ ہاں! ان کے لیے استغفار کرنا، ان کے وعدوں کو پورا کرنا، ان کے احباب و اقارب کی عزت کرنا۔ یہ سب باتیں ماں باپ کی خدمت میں شامل ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ کو ایک اعرابی راستہ میں ملا۔ اس نے آپ کو سلام کیا۔ آپ نے اس کو بڑے احترام سے جواب دیا۔ خود پیادہ ہو گئے۔ اس کے سامنے اپنی سواری پیش کر دی۔ پھر اپنے سر کا عمامہ بھی ان کے سر پر رکھ دیا۔ آپ کے ساتھیوں میں سے کسی نے کہا جناب! یہ لوگ گنوار ہیں۔ تھوڑی سی چیز سے خوش ہو جاتے ہیں۔ اس قدر لطف کی کیا ضرورت ہے

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ سعادت مند اولاد کی بڑی خدمت یہ ہے کہ باپ کے مرنے کے بعد باپ کے دوستوں سے اچھا سلوک اور بہترین برتاؤ کرے۔ اس شخص کو میں نے اپنے والد ماجد کے پاس دیکھا ہے۔ (مسلم)

۱۰ - والدین کی عزت کا پورا خیال رکھو اگرچہ وہ کافر ہوں۔

۱۱ - حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام میں سے کسی نے ایک مرتبہ عرض کیا یا رسول اللہ! خدا اور رسول کے بعد نیک سلوک اور اچھے برتاؤ میں کس کو مقدم کرنا چاہیئے۔ فرمایا "ماں" کو۔ سائل نے کہا پھر کس کو؟ فرمایا "ماں" کو۔ تین مرتبہ کے ذکر کے بعد چوتھی مرتبہ فرمایا باپ کی اطاعت فرض ہے (بخاری و مسلم)

۱۲ - ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ مرد پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ فرمایا اس کی ماں کا۔ (حاکم)

حضرت ابوہریرہؓ سے ایک واقعہ مروی ہے کہ ایک مرتبہ قبیلہ بنو سعد کے ایک نوجوان کی نسبت حضورؐ کو یہ معلوم ہوا کہ وہ اپنے والدین کے سامنے گستاخی سے پیش آتا ہے۔ آپ نے اسے طلب کیا اور فرمایا۔ کیا یہ سچ نہیں ہے۔ کہ تمہارے والدین نے تمہاری تربیت اور پرورش میں اس وقت تکالیف برداشت کیں جب تمہیں ہوش نہ تھا۔ انہوں نے تیری خاطر کتنی تکلیفیں جھیلیں؟ کتنے دکھ درد کا سامنا کیا؟ اور تمہارے کے لیے کتنی راتیں بیداری میں کاٹیں؟ ان کے احسانات کا یہ صلہ ہے کہ تم انہیں حقیر سمجھتے ہو اور ان پر ظلم ڈھاتے ہو! اس کے بعد فرمایا من ادرک والدیہ عند الکبر ولا یحسن لم یدخل الجنۃ - یعنی جس نے اپنے والدین کے ساتھ حالتِ ضعیفی میں اچھا سلوک نہیں کیا۔ وہ ہرگز جنت میں داخل نہ ہوگا۔

حضرت معاویہؓ بیان فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ماں باپ کے پاؤں کے نیچے جنت ہے۔ مختصر یہ کہ والدین کے احترام و تعظیم کی بہت تاکید فرمائی گئی ہے۔

احترامِ شوہر

یہ تو بتانے کی ضرورت نہیں کہ عورت کے لیے شوہر ہی مرکزِ عیش ونشاط اور سرمایۂ سکون وحیات ہے۔ بلکہ دکھانا یہ ہے کہ اسلام نے احترامِ شوہر اور اس کی رضاء کے لیے کتنا زور دیا ہے۔ اور مسلم عورتوں نے تعلیماتِ اسلامی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے شوہروں کا کتنا احترام کیا ہے؟ کس طرح خدمت کی ہے؟ اور ان کی رضاجوئی اور خوشنودی کے لیے کس طرح خندہ پیشانی کے ساتھ مصائب ومشکلات برداشت کی ہیں فرامینِ نبوی ملاحظہ ہوں۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کسی بشر کو یہ لائق نہیں کہ وہ کسی بشر کو سجدہ کرے۔ اگر میں انسان کو سجدہ کی اجازت دیتا تو عورت کو اجازت دیتا کہ وہ خاوند کو سجدہ کرے۔"

حضرت ابن ابی اوفیؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ جو عورت اپنے خاوند کا حق ادا نہیں کرتی وہ اپنے رب کی نافرمان ہے۔ اپنے رب کا حق اداء کرنا اس پر موقوف ہے کہ خاوند کا حق ادا کرے۔" (ابن ماجہ)

حضرت زید بن ارقمؓ کی روایت میں ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "عورت خدا کا حق نہیں اداء کرتی جب تک وہ شوہر کا حق ادا نہ کرے۔" (طبرانی)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "اگر شوہر پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دینے کا حکم کرے تو اس کی تعمیل کی کوشش کرنی چاہیے۔" (پہاڑ یقیناً اپنی جگہ سے نہیں ہٹایا جا سکتا مگر دو چار پتھر ہٹا کر تعمیلِ حکم کی صورت تو پیدا کی جا سکتی ہے)

ایک جگہ آپؐ نے فرمایا ہے "جو عورت اپنے خاوند سے ناراض رہتی ہے۔ اس پر اللہ کی لعنت ہے۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے "جو عورت مر گئی ایسی حالت میں کہ اس کا خاوند اس کی زندگی میں خوش رہا وہ بلاشبہ جنت میں داخل ہوگی۔ (ابن ماجہ)

ایک جگہ ارشاد ہے۔ "اے عورت دیکھ! بس تیری جنت اور دوزخ خاوند ہے۔ یعنی عورت کے لیے خاوند کی خوشی میں جنت اور اس کی ناخوشی میں جہنم ہے۔"

کہیں یہ فرمایا ہے "سب سے اچھی عورت وہ ہے جسے دیکھ کر اس کا خاوند خوش ہو۔ اور جب اُسے حکم دے تو فوراً بجالائے۔ اور ہر وقت شوہر کی رضاء و خوشنودی میں لگی رہے۔ اور اس کی عدم موجودگی میں اپنی عصمت اور خاوند کے مال کی حفاظت کرے۔ (بیہقی وابن ماجہ)

اس قسم کی اور بھی حدیثیں ہیں جن میں شوہر کی اطاعت کو نہ صرف دنیاوی فلاح بلکہ آخرت میں نجات اور مغفرت کے لیے بھی ضروری قرار دیا گیا ہے۔ مگر یہ بات کبھی بھی فراموش نہ ہونی چاہیئے کہ یہ اطاعت انہیں امور میں لازم ہے جو شرعاً جائز اور مباح ہوں۔ ناجائز اور غیر شرعی امور میں یہ حکم نہیں۔ کیونکہ ضابطہ یہ ہے لاطاعة للمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ یعنی ایسے کسی معاملہ میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے جس میں خالق کی نافرمانی ہوتی ہو۔

اب کچھ واقعات ملاحظہ فرمایئے کہ مسلم خواتین نے ان احکامات کی تعمیل کس طرح کی ہے۔ سب سے پہلے سیدۃ النساء حضرت خدیجہؓ کی مثال لیجئے۔

(۱) "ایک ناز پروردہ، صاحبِ دولت و ثروت خاتون جن کو ان کی عظیم الشان کامیاب تجارت کے باعث "ملکہ عرب" کہا جاتا تھا۔ جب رسولِ خدا کے شرفِ ازدواجی سے مشرف ہوئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہِ حرا کے غار میں گوشہ نشینی اختیار کی تو یہی ملکۂ عرب تھیں جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خود پا پیادہ پہاڑی پتھروں کو طے کرتے ہوئے غار تک جاتی تھیں۔ ایثار و فدائیت کی شان یہ تھی کہ خود اپنے نوکروں یا باندی اور غلاموں کی امداد بھی گوارا نہیں تھی۔

دعوتِ تبلیغ کا سلسلہ شروع ہوا تو نہ صرف یہ کہ سب سے پہلے تسلیم و اطاعت کے لیے سرنیاز خم کر دیا بلکہ اپنی پوری دولت خدمتِ دین کے لیے وقف کر دی۔ اور جب مخالفینِ اسلام نے ہر طرف سے ہجوم کر کے رحمۃ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانے میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کی تو یہی جاں نثار خاتون تھیں جنہوں نے اپنے تمام وسائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کی راحت و آسانی کے لیے آڑ بنا دیئے۔

(۲) حضرت خدیجہؓ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا نکاح حضرت ابو العاص سے ہوا تھا (اس وقت تک مسلمان عورتوں کا نکاح غیر مسلموں سے حرام نہیں ہوا تھا) جب غزوۂ بدر پیش آیا تو ابو العاص جو اس وقت تک

کافر تھے۔ مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہوئے۔ حضرت زینبؓ یعنی ایک مسلمان خاتون کی اپنے غیر مسلم شوہر کے لیے وفاداری ملاحظہ فرمایئے۔ جیسے ہی انہیں شوہر کی گرفتاری کا علم ہوا۔ بے چین ہوگئیں اور جب معلوم ہوا۔ کہ فدیہ لے کر چھوڑنے کا بھی قانون بنا دیا گیا ہے، تو اپنی ماں کی یادگار (سب سے زیادہ قیمتی ذخیرہ جو ان کے پاس تھا وہ حضرت خدیجہ کا ہار تھا جو انہوں نے ان کو جہیز میں دیا تھا) اپنے شوہر کے فدیہ کے لیے سرکار دو عالم کے دربار بھیجدیا۔ فدیہ منظور ہوا اور حضرت ابو العاص رہا ہوئے، جو کچھ ہی عرصہ بعد حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ اسطرح کے واقعات تو بہت ہیں۔ میں نے بطور نمونہ کے یہ دو واقعہ پیش کر دیئے۔

احترام بیوی

اسلام سے پہلے جبکہ جاہلیت کا زمانہ تھا عورتوں کی عصمت و عفت کی کوئی قدر نہ تھی۔ باہمی رضا سے زناکاری جائز تھی۔ معصوم لڑکیاں پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دی جاتی تھیں تعداد ازدواج کی کوئی حد مقرر نہ تھی۔ عورت کو مساوی درجہ دینا انسان اپنے لیے توہین و ہتک سمجھتا تھا اور اس کے لیے شوہر کی موت پر اس کے ساتھ ہی ستی ہونا لازم و ملزوم سمجھا جاتا تھا۔ المختصر یہ کہ عورت تفریح کا ایک آلہ اور بچہ پیدا کرنے کی مشین سے زیادہ وقوت کی مالک نہ تھی۔

یکایک ہادیٔ برحق مصلح اعظم اور رسول عربی کا ظہور ہوا۔ آپ نے پیدا ہوتے ہی عورتوں سے ان مظالم کو دور کیا۔ آپ نے عورت کو ملوکیت کے درجہ سے نکال کر مالکیت کا درجہ بخشا اور اس کو پہلا شرعی وارث قرار دیا۔ تعداد ازدواج کی حد قائم کی عقد بیوگان کا رواج دیا۔ اور اعلان کیا کہ شوہر و بیوی دونوں کے ذمہ ایک دوسرے کے فرائض کی حدود مقرر ہیں۔ پس دونوں کا فرض ہے کہ ان حدود کی پوری پوری رعایت کریں۔ تاکہ پاک اور سعید زندگی گزرے۔ اور ظلم و معصیت ہے اگر وہ ایک دوسرے کے حقوق کا پاس و لحاظ نہ کریں۔ اور غفلت و تساہل برتیں۔ عورت کا حق ہے کہ وہ نکاح کے وقت ایک رقم بطور مہر مقرر کرائے۔ اور جس وقت چاہے شوہر سے طلب کرے۔ اور ضروریاتِ زندگی کا پورا نفقہ اس سے وصول کرے۔ اگر خاوند ظالم ہے دیوانہ ہے۔ مفقود الخبر ہے تو عورت کو حق علیحدگی کا اختیار حاصل ہے۔ اس کو اجازت ہے کہ وہ ظالم شوہر سے نجات حاصل کر لے۔ عورت ہی کی عزت و احترام کی خاطر مردوں سے کہا گیا "اپنی عورتوں کو ناپسند نہ کرو۔ تمہیں کیا معلوم جس چیز کو ناپسند کرتے ہو اس میں تمہارے لیے بھلائی ہے۔" مردوں پر عورتوں کے

حقوق اسی طرح ہیں جس طرح ان کے حقوق"۔ عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم اُن کا لباس ہو"۔ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ ان کو مضرت نہ پہونچاؤ۔ انہیں لٹکائے نہ رکھو ان کی خبر گیری کرو۔ مالدار اپنی حیثیت کے مُطابق اور غریب اپنی طاقت کے بموجب عورتوں کے ساتھ سلوک کرے۔

عورتیں تمہاری کھیتی ہیں اگر تعلقات نہیں نبھتے ہیں تو بیک وقت تین طلاق نہ دو۔ تاکہ اگر اعادہ کرنا چاہو تو بآسانی کرسکو۔ اگر اختلاف ہو ہی جائے تو الگ کرنے میں ان کی عزت واحترام کا پورا پورا لحاظ رکھو۔ ان کو حسن وخوبی کے ساتھ رخصت کرو۔ آپؐ کے مشہور اقوال یہ ہیں:۔

۱ - عورتوں کی عزت کرنے والا عزیز وکریم ہے۔ توہین کرنے والا ذلیل وبدبخت ہے۔

۲ - دنیا کی بہترین دولت المرأۃ الصالحۃ یعنی نیک بیوی ہے۔

۳- عورت اپنے خاوند کے گھر کی محافظ ہے۔ المرأۃ راعیۃ علی بیت زوجھا۔

۴- عورتوں میں صورۃً یا سیرۃً کوئی عیب نہ نکالو نہ الزام لگاؤ اور نہ بہتان تراشو۔

۵- عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو اتّقوا اللہ فی النساء۔

۶ - تم میں سے اچھا وہی ہے جو اپنے اہل وعورت کی نظر میں اچھا ہے اور اسے تم سے کوئی شکایت نہیں۔ خیرکم خیرکم لاھلہ وخیارکم خیارکم لنساءہ۔

جامعہ مدنیہ کا صحن، مسجد اور ایک جانب کے چند کمرے

جامعہ مدنیہ

عہد حاضر کی چند برگزیدہ شخصیتوں کی نظر میں

حکیم الاسلام، یادگارِ سلف حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم مہتمم دارالعلوم دیوبند

نحمدہٗ ونصلی - آج بتاریخ ۲۷ رجب ۱۳۸۸ھ جامعہ مدنیہ لاہور کے ایک خصوصی اجلاس "ختم بخاری شریف" میں حاضری کا شرف میسر ہوا۔ اور بخاری کی آخری حدیث پڑھ کر اس کے بارہ میں کچھ تشریح بھی عرض کی گئی۔ حضرات اساتذہ و طلبہ کی خواہش پر احقر نے اپنی سندات کے ساتھ اجازتِ تحدیث بھی دی۔

جامعہ میں حاضر ہو کر تعلیمی معیار سے دل مسرور ہوا۔ الحمد للہ ماحول خالص دینی اور تعلیمی ہے - اور تمام حضرات اخلاص کے ساتھ افادی اور تعلیمی کاموں میں لگے ہوئے ہیں - جامعہ کی عمارت زیر تعمیر ہے لاہور کے دریادل مسلمانوں اور اہلِ اخلاص کی ہمتوں سے قلیل عرصہ میں جامعہ کا مجموعی ڈھانچہ سطح زمین پر آگیا ہے انہی کی ہمتیں انشاء اللہ اس کی تکمیل کی ضامن بھی ہوں گی۔

حق تعالیٰ اس جامعہ کو اس علاقہ کے لیے علم و عمل کا روشن مینار بنائے - اور اس سے فارغ ہونے والے فضلاء ترویج دینِ مبین و اُسوۂ رسول رب العلمین کے فرائض باخلاص تمام انجام دیں۔

واللہ الموفق والمستعان - وعلیہ التکلان۔

محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند وارد حال لاہور - ۲۷ رجب ۱۳۸۸ھ

لہ - گذشتہ شمارہ میں بھی حضرتِ موصوف کی رائے گرامی شائع ہوئی - جو آپ نے حال ہی میں تحریر فرمائی تھی - مندرجہ بالا رائے گرامی آج سے سوا دو سال پیشتر ۱۳۸۸ھ میں رقم فرمائی تھی۔

مخدوم زادۂ مکرم حضرت مولانا الحاج السیّد اسعد المدنی مدظلہم خلفِ رشید حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ۔

امابعد احقر اتفاق سے پاکستان حاضر ہوا تو لاہور حاضری ہوئی ۔ جامعہ مدنیہ میں کئی بار حاضری اور قیام کا شرف حاصل ہوا ۔ اللہ کے فضل سے اس نوخیز ادارے نے خوب ترقی کی ہے ۔ اس کی علمی ترقی و مقام کے بارے میں استاذ الاساتذہ حضرت مولانا رسول خاں صاحب مد اللہ ظلہم کی تصدیق بہت وقیع وثمین ہے [۱]

مدرسہ کی عمارتیں ابھی تشنۂ تکمیل و توسیع ہیں ۔ طلبگارانِ علوم نبوی علیٰ صاحبہا افضل الصلوٰۃ والسلام کو عدم استطاعت و گنجائش کی وجہ سے واپس کرنا پڑتا ہے ۔

حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب زید فضلہم کی توجہ محنت سلیقہ کے باعث بحمد اللہ مدرسہ اور اس کے شعبے روز افزوں ترقی پر ہیں ۔

اللہ تعالیٰ مدرسہ کے کارکنوں اور معاونین کو اپنی مرضیات سے نوازے اور مدرسہ کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے فقط والسلام

اسعد غفرلہٗ

۲۰ محرم الحرام ۱۳۹۰ھ

جامع فضائل حضرت الحاج مولانا عبید اللہ صاحب انور مدظلہم جانشین حضرت شیخ التفسیر قدس سرہٗ

جامعہ مدنیہ (کریم پارک لاہور) پاکستان کے عظیم مدارس اسلامیہ میں سے ایک ہے ۔ میرا اکثر وہاں آنا جانا رہتا ہے ۔ خود ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بھی جامعہ مدنیہ سے خصوصی تعلق تھا ۔ آپ تا حیات جامعہ کی سرپرستی

---

[۱] ۔ حضرت مولانا رسول خان صاحب مدظلہم کی رائے گرامی گذشتہ شمارہ میں شائع ہو چکی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انھوں نے بخاری شریف خیالی ۔ قاضی اور صدرا کا امتحان لیا ۔ الحمد للہ کہ آپ کے مدرسہ میں فنون کے مدرس قابل ، لائق ، فائق ہیں ۔ فنون کی تعلیم کے لحاظ سے آپ کا مدرسہ پاکستان بھر میں بے نظیر ہے

فرماتے رہے ۔ اس تعلق و توجہاتِ خصوصی کا سبب جامعہ مدنیہ کے مہتمم حضرت مولانا سید حامد میاں مدظلہٗ کا علم تقویٰ اور اخلاص وللٰہیت بالخصوص آپ (حضرت مولانا سیّد حامد میاں صاحب مدظلہٗ) کا حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور ارشد تلامذہ میں سے ہونا ہے ۔ ہمارے حضرتؒ کو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے جس قدر محبت و عقیدت تھی وہ محتاجِ بیان نہیں ۔

بفضلہٖ تعالیٰ جامعہ مدنیہ ابتداء سے قابل و لائق مدرسین و منتظمین کی زیرِ نگرانی اعلیٰ پیمانہ پر دینی خدمت انجام دے رہا ہے ۔ احقر تمام دین پسند حضرات سے ، بالخصوص اپنے احباب سے پرزور اپیل کرتا ہے کہ وہ جامعہ کی ہر طرح سے امداد کریں جامعہ ہٰذا کو ماہانہ امداد دیں ۔ اور عشر و زکوٰۃ کے موقعوں پر اپنا عشر و زکوٰۃ جامعہ میں جمع کرا کر مہمانانِ رسول اللہ علیہ السلام کی میزبانی کا شرف حاصل فرمائیں ۔

نوٹ : طلبہ کی کثرت اور کتابوں کی قلت کے باعث منتظمین حضرات پریشانی سے دوچار ہیں خاص کر حدیث شریف کی کتابوں بخاری شریف ، ترمذی شریف ، ابوداؤد شریف وغیرہ کی شدید ضرورت ہے لہٰذا مخیر حضرات کو اس طرف بھی توجہ دینی چاہیئے ۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ ———— احقر عبید اللہ انور

حضرت علامہ مولانا عبد الحق صاحب مدظلہم بانی و شیخ الحدیث دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

آج مورخہ ۱۸ صفر المظفر ۹۰ھ کو احقر حضرت العلامہ ذو المجد و السعادۃ مولانا حامد میاں صاحب مدظلہٗ کی دعوت پر جامعہ مدنیہ حاضر ہوا ۔ مختصر وقت میں مدرسہ کی عمارت اور طلبہ کی اکثریت اور نظم و ضبط ، تعلیمی ماحول اور تربیت کے اثرات دیکھ کر بے حد متاثر ہوا ۔

حضرت مولانا موصوف کو قطب العالم شیخ الاسلام و المسلمین مولانا و سیدنا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ سے نسبت تعلق اور سعادتِ خلافت حاصل ہے اور یہ اسی نسبت کا کرشمہ ہے کہ اس قلیل عرصہ میں جامعہ مدنیہ کو تعمیر ، طلبہ ، اساتذہ اور تعلیم و تربیت ہر لحاظ سے ایک ممتاز مقام حاصل ہو چکا ہے

اس قلیل عرصہ میں اتنی ترقی مدرسہ کی مقبولیت عند اللہ کی دلیل ہے۔ اساتذہ بھی مخلص، جفاکش اور محنتی ہیں الغرض مدنی اخلاص کی جھلک محسوس ہوتی ہے۔ خداوند کریم اس سرچشمۂ فیض کو زیادہ سے زیادہ ترقیاتِ ظاہرہ و باطنہ سے مالا مال فرمائے۔ اس کے بانی، اساتذہ، طلبہ، منتظمین و عملہ کو زیادہ سے زیادہ اخلاص اور جوشِ عمل کی توفیق دے اور جامعہ مدنیہ کو علوم نبویہ کا بہترین مرکز بنائے۔

بندہ عبدالحق عفرلہٗ

مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور

ان برگزیدہ شخصیات کی آرائے گرامی آپ نے ملاحظہ فرمائیں۔ اب ہم جناب محترم راجہ حامد مختار صاحب پی سی ایس چیف ایڈمنسٹریٹر پنجاب کی رائے بھی نقل کرتے ہیں۔

اس سال محکمہ اوقاف نے لاہور کے مدارس عربیہ میں بمد کتب غیر مشروط امداد دی ہے جامعہ مدنیہ کو بھی مبلغ ...... ہزار کی قیمت کی کتابیں بمد کتب خانہ دی گئیں۔ جس دن یہ کتابیں جامعہ میں پہونچیں اسی دن جناب راجہ صاحب مدظلہم خود بھی تشریف لائے اور معائنہ کے بعد حسبِ ذیل رائے تحریر فرمائی۔

رائے گرامی جناب محترم راجہ حامد مختار صاحب پی سی ایس چیف ایڈمنسٹریٹر پنجاب

مجھے آج ملک کی اس عظیم درس گاہ میں حاضری کا موقع ملا۔ بفضلِ تعالیٰ ادارہ کی تاسیس نہایت مستحکم خطوط پر کی گئی ہے اور ذوق جمال کا خاص طور پر خیال کیا گیا ہے۔ ادارہ کے عزائم بہت بلند ہیں اور اس وقت تک مہتم بالشان کارنامہ سر انجام پا چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ منتظمین کو روز افزوں ترقی دیکھنا نصیب کرے۔

مجھے امید ہے کہ محکمۂ اوقاف مستقبل قریب میں ادارہ کی خدمات کے پیش نظر اس کی کماحقہ امداد کرے گا۔

حامد مختار عفرلہ